بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ماہنامہ الفرقان ربوہ پاکستان

جلد ۹ ——— ستمبر ۱۹۵۹ء ——— شمارہ ۹

قرآنی ارشاد

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو اسلام کی دعوت دے، نیکی کی تلقین کرے اور بدی سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

سالانہ قیمت
پاکستان و بھارت ...... پانچ روپے
دیگر ممالک .... دس شلنگ

ایڈیٹر:- ابو العطاء جالندھری (ربوہ، پاکستان)

ارشادات

۱۔ حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کا ارشاد:۔

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔"

(الفضل ۵ رجنوری ۱۹۵۶ء)

۲۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:۔

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں۔ اور قرآن کے فضائل اور اسلام کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض و غایت کو پورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے بس مخیر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے۔ تا اس رسالہ کی غرض و غایت بصورت احسن پوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پوری شان کے ساتھ ساری دنیا کو اپنے نور سے منور کرے۔ یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ ابھی تک یہ رسالہ مالی لحاظ سے نقصان پر جا رہا ہے۔ زندہ قوموں کے زندہ رسالے ہر جہت سے زندگی کے آثار سے معمور ہونے چاہئیں۔ ایسے رسالہ کا مالی تھپیڑوں کی وجہ سے بند ہونا بہت قابلِ شرم ہوگا۔ فقط والسلام　　خاکسار مرزا بشیر احمد۔ ربوہ ۱۱/۷/۵۹

(الفضل مورخہ ۱۸ رجولائی ۱۹۵۹ء)

۳۔ جناب ایڈیٹر صاحب روزنامہ الفضل تحریر فرماتے ہیں:۔

"الفرقان بجا طور پر ایک دینی علمی مجلہ کہلانے کا حقدار ہے اور احمدیت کے مشہور و معروف عالم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کی ادارت میں کئی سال سے شائع ہو رہا ہے اور روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اگرچہ اس کی مالی حالت قابلِ رشک نہیں لیکن حتی الوسع وہ دین و علم کی خدمت بجا لا رہا ہے۔ احباب جماعت کا فرض ہے کہ خود بھی اس کو خریدیں اور دوسروں کو بھی خریدنے کی ترغیب دلائیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپیہ ہے۔ جو اس کی خوبیوں کے لحاظ سے بہت کم ہے۔"

(الفضل ۱۹ رجولائی ۱۹۵۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۹	ستمبر ۱۹۵۹ء	الفرقان ربوہ پاکستان	ربیع الاول ۱۳۷۹ھ	شمارہ ۹

نمبر شمار	فہرست مضامین	مضمون نویس	صفحہ
۱	زندہ خدا کی زندہ تجلیات	ایڈیٹر	۲
۲	ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ (امریکہ کے رسالہ TIME کی غلط فہمی کا ازالہ)	"	۳
۳	دو غارین (اسلام کا مکی اور مدنی آغاز)	"	۹
۴	شکریۂ احباب	"	۱۶
۵	البیان (قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر تفسیری حواشی کے ساتھ)	"	۱۷
۶	پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں (الادب المفرد کا انتخاب مع ترجمہ)	"	۲۱
۷	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات طیبات (اسلام کی کیا حقیقت ہے)	اقتباس	۲۳
۸	علامہ نیاز فتحپوری ایڈیٹر "نگار" لکھنؤ کا ایک بصیرت افروز بیان	"	۲۵
۹	علامہ اقبالؒ کی مخالفت احمدیت کا پس منظر (اخبار جنگ کے ایک مضمون سے)	ایڈیٹر	۲۹
۱۰	ہماری خوراک کے مسائل —— آلو	جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کوئٹہ	۳۱
۱۱	حضرت امام ابن القیمؒ کا عیسائیوں سے ایک سوال	جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب فاضل	۳۳
۱۲	اشتراکیت اور ہمارا مذہب الگ الگ ہیں (جمہوریہ متحدہ عرب کے صدر جمال عبدالناصر کا اعلان)	مجلہ "الازہر" سے ترجمہ	۳۵
۱۳	کوئٹہ میں بشپ آف کراچی اور دیگر پادری صاحبان سے دلچسپ گفتگو	ابو العطاء	۳۷

زندہ خدا کی زندہ تجلّیات

ماہِ اگست میں مجھے ملتان سکھر، کراچی اور کوئٹہ جانے کا اتفاق ہوا۔ احباب نے رسالہ الفرقان کے بارے میں اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا وہ بہت حوصلہ افزا تھے۔ جو مفید مشورے دیئے وہ نہایت قیمتی تھے۔ ایک بہترین مشورہ جو رسالہ کی روحانی اور معنوی افادیت میں بھی خاص اضافہ کرسکتا ہے وہ یہ تھا کہ ہر ماہ ایک مضمون خواہ کتنا ہی مختصر ہو کسی ایسے بزرگ کا تحریر کردہ شائع کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوچکا ہو جسے قبولیتِ دُعا کا تجربہ ہو۔ جس نے آسمانی نصرتوں کو اپنی آنکھوں مشاہدہ کیا ہو۔ گویا اس کا بیان **آپ بیتی** ہو۔ **حال** کا بیان ہو محض **قال** نہ ہو۔ ایسے واقعاتی مضامین اپنے اندر خاص رنگ رکھیں گے اور رسالہ کوشش کرے گا۔ کہ ایسے بزرگ کے ایسے قیمتی مقالہ یا بیان کے ساتھ ان کا فوٹو بھی شریکِ اشاعت کرسکے۔

یہ مشورہ کراچی کے جس مخلص دوست نے دیا انہوں نے اس کی ضرورت اور اس کی اہمیت کو بہت مؤثر انداز میں بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ دُنیا میں ہنوز بے شمار رُوحیں ایسی ہیں جو سچائی کی پیاسی اور حق کی طلبگار ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا کو پانے کی ایک تڑپ ہے۔ وہ لوگ اپنے ماحول میں اس تڑپ کے پُورا ہونے کے سامان نہیں پاتے انہیں بے چینی اور بے قراری لاحق ہے۔ اور ان کا واحد علاج یہ ہے کہ انہیں ایسے سرچشمہ کی طرف راہنمائی کی جائے جس سے طمانیت اور تسلّی حاصل ہوتی ہے۔ انہیں سچے خدا کا پتہ دیا جائے اور بتایا جائے۔ کہ زندہ خدا آج بھی اپنے بندوں سے بولتا ہے۔ ان کی دُعاؤں کو سُنتا ہے۔ اُن کی خاص نصرت فرماتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ راہنمائی دلائل اور دوسروں کے بیانات سے بھی ہوسکتی ہے۔ مگر جو تاثیر اس بارے میں اس شخص کے کلام میں ہوگی جو کہہ سکے کہ خود مجھ سے خدا ہم کلام ہوا۔ اس نے میری دُعاؤں کو سُنا۔ اس نے میری غیر معمولی نصرت فرمائی۔ جو تاثیر ایسے شخص کے کلام میں ہوسکتی ہے وہ کسی اَور کے بیان میں نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں آج بھی سینکڑوں ایسے بزرگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے زندہ معجزات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور خدا کی نصرتوں کو اپنے اُوپر بارش کی مانند اُترتے دیکھا ہے۔ ایسے لوگ اپنی خاکساری اور تواضع کے باعث عام طور پر ان امور کا چرچا بھی نہیں کرتے اور یوں بھی سچے عاشق اس یارِ ازلی کے عشق کے واقعات کو بلا ضرورتِ حقّہ افشا کرنا پسند نہیں کرتے۔ مگر اب ضرورت پیدا ہوچکی ہے۔ اور پیاسی دُنیا اس **آبِ حیات** کے لئے ہاتھ پھیلا رہی ہے جو ان بزرگوں کے پاس موجود ہے۔ اب محض بنی نوعِ انسان کی بھلائی کی نیّت سے ان کا فرض ہے کہ زندہ خدا کی زندہ تجلّیات کا کچھ تذکرہ صفحۂ قرطاس پر بھی کریں تا گمراہوں کو ہدایت ہو؛ وہ بہروں کے کان کھُلیں اور اندھوں کو بینائی نصیب ہو۔

ان سطور کے ساتھ میں سلسلہ کے تمام بزرگوں اور نوجوانوں سے عام درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس بارے میں امداد فرمائیں اور اپنے ایسے واقعات قلمبند فرما کر جلد ارسال فرمائیں تا خدا کی مخلوق کی بھلائی کی خاطر انہیں شائع کیا جائے۔ مقدور بھر کوشش کی جائے کہ ایسے بزرگ دوست اپنا فوٹو بھی ارسال فرمائیں۔ یہ نیک کام ریا یا شہرت طلبی نہیں ہوگی بلکہ خدا کے دین کی خدمت ہوگی۔ وانّما الاعمال بالنّیات۔

(ایڈیٹر)

ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں نہ کہ حضرت اسحٰقؑ

امریکی رسالہ TIME کی غلط فہمی کا ازالہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے عقیدہ میں ایک مقدس نبی ہیں۔ ہر سہ اقوام انہیں ابوالانبیاء مانتی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے فرزندوں میں سے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت اسحٰقؑ یہود کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ عرب کے مورثِ اعلیٰ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے فرزند کو راہِ خدا میں ذبح کر رہے ہیں۔ اس بیان پر تورات و قرآن مجید کا اتفاق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے کونسے فرزند ذبیح اللہ تھے؟ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت اسحٰقؑ تھے۔ اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔

ہزاروں سال سے مقررہ وقت پر سرزمین عرب میں حج ہوتا ہے اور ہزاروں انسان دور و نزدیک سے بیت اللہ کی زیارت اور حج کے مناسک کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت ابراہیمؑ کی عظیم قربانی کی یاد میں قربانیاں بھی دی جاتی ہیں۔ عرب کی ساری تاریخ اور جملہ روایات اس پر متفق ہیں کہ جس قربانی کی یاد حج کے موقعہ پر قائم کی جاتی ہے وہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی تھی۔ اور یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے لیکن امریکہ کے مشہور رسالہ TIME نے اپنی اشاعت ۶ جولائی ۱۹۵۹ء میں ایک شامی حاجی احمد مراد کا فوٹو شائع کرتے ہوئے حج کے سلسلہ میں جو مضمون اپنے مذہبی حصہ میں شائع کیا ہے اس میں لکھا ہے:-

"On the tenth day of the Hadj began the joyous feast of El idha, Commemorating Abraham,s near sacrifice of his son Issac."

کہ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو وہ خوشکن دعوتِ عید الاضحیٰ ہوتی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے اپنے عزیز فرزند اسحاقؑ کو قربان کرنے کی یاد میں ہوتی ہے۔"

اس عبارت میں حضرت اسحٰقؑ کا نام محض یہودی اور عیسائی عقیدہ کا اظہار ہے ورنہ نہ اس کی کوئی مناسبت تھی اور نہ ہی

اس کا موقعہ تھا۔ واقعاتی رنگ میں عرب جو حضرت اسمٰعیل
کی نسل ہیں اور انہیں ایک عظیم نبی یقین کرتے ہیں اور ان
کو ہی حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں اس جگہ ذبح کئے جانے
کے لئے لٹایا جانے والا فرزند مانتے ہیں۔ یہ بات ان کے
وہم و تصور سے بھی بالا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ
تھے۔ قرآن مجید نے سورۃ الصافات (آیت ۹۹ تا ۱۱۱) میں
حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے بے اولاد
ہونے کی حالت میں بیٹے کے لئے کی تھی۔ پھر اس دعا کی
قبولیت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اس ہونہار اور حلیم فرزند
کے پروان چڑھنے کا بیان کیا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ حضرت
ابراہیمؑ نے رؤیا میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔
بیٹے سے جو سن شعور کو پہنچ چکا تھا اس رؤیا کا ذکر کیا۔ وہ
فوراً قربان ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ جب باپ بیٹا دونو
پورے طور پر مستعد ہو گئے تو آسمانی آواز آئی کہ قربانی
منظور ہو گئی۔ ظاہری قربانی مراد نہ تھی۔ قرآن مجید نے
فرمایا ہے ـــ وفدیناہ بذبح عظیم ـــ کہ ہم
نے اسمٰعیل کی قربانی کے بدلہ اور دنیا میں عظیم قربانیوں کا
سلسلہ جاری کر دیا ہے۔ اس سارے بیان کے بعد قرآن مجید
فرماتا ہے کہ اس کے بعد ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو دوسرے
فرزند اسحٰقؑ نبی کی بشارت دی اور اسے بھی برکت بخشی۔

قرآن مجید کے اس لطیف اسلوب بیان اور عربوں
کی قدیم روایات کے بعد عربوں اور مسلمانوں کے لئے تو
یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ حج کے موقعہ پر کی جانے والی
قربانیاں حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یاد میں نہیں ہیں؟ البتہ
چونکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے کان میں شروع سے یہی
ڈالا جاتا ہے کہ ذبیح اللہ اسحاقؑ تھے۔ اسلئے TIME
کے ایڈیٹر صاحب نے اپنے مضمون میں بے موقعہ حضرت
اسحاقؑ کا نام درج کر دیا ہے۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ تو اُن
لوگوں کی نظر میں ابراہیمی برکات سے سراسر محروم تھے۔

تورات کے بیان پر گہری نظر کرنے سے مسیحی و
یہودی نظریہ سراسر غلط ثابت ہوتا ہے۔ ہم گہری نظر
کی شرط اسلئے لگاتے ہیں کہ موجودہ بائیبل میں کافی تبدیلی
کی جا چکی ہے اور ترجمہ در ترجمہ ہونے کے باعث بہت سے
حقائق مسخ ہو چکے ہیں۔ اس مسئلہ پر گذشتہ برس ہم نے
کوئٹہ میں وہاں کے انچارج پادری مسٹر آمرشاہ کے سامنے
جو خاکہ بائیبل سے پیش کیا تھا اسے ہی قارئین کرام کے
سامنے رکھتے ہیں تا وہ اندازہ کر سکیں کہ از روئے تورات
بھی در اصل ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے اور وہ فی الواقع
اُن برکات کے وارث تھے جن کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے
حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا۔ اس صداقت کو تسلیم کرنے سے
مسیحی نقطۂ نگاہ میں بہت تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔ اور
انہیں اسلام کے قبول کرنے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

بائیبل میں حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر

(۱) "خداوند کے فرشتے نے اسے (حضرت
ہاجرہ) کو کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت
بڑھاؤں گا۔ کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائیگی۔
اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ تو
حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا
نام اسمٰعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دُکھ

سُن لیا" (پیدائش ۱۶/۱۰-۱۱)

(۲) "ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا۔ اور جب ابرام کے لئے ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا" (پیدائش ۱۶/۱۵-۱۶)

(۳) "خدا نے ابراہام سے کہا کہ تیری جورو سری جو ہے سو اس کو سری مت کہا کر بلکہ اس کا نام سرہ ہے اور میں اُسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اُسے برکت دوں گا کہ وہ قوموں کی ماں ہوگی اور ملکوں کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابراہام مُنہ کے بل گرا اور ہنس کے دل میں کہا کہ کیا سو برس کے مرد کو بیٹا پیدا ہوگا۔ اور کیا سرہ جو نوّے برس کی ہے جنے گی۔ اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے" (پیدائش ۱۷/۱۵-۱۸)

(۴) "اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا" (پیدائش ۱۷/۲۰)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت بشارت کے ماتحت ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے خود ان کا یہ نام رکھا۔ اور وعدہ فرمایا کہ میں نے اسمٰعیل کے حق میں ابراہیمؑ کی دُعاؤں کو سُنا ہے اور میں اُسے برکت دوں گا اور برومند کروں گا۔

ان آیات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی چھیاسی برس کی عمر میں حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے اور سو برس کی عمر میں حضرت اسحٰقؑ کی ولادت ہوتی ہے۔ گویا حضرت اسمٰعیلؑ چودہ پندرہ برس حضرت اسحٰقؑ سے بڑے ہیں۔

اکلوتے کی قربانی

بائیبل میں قربانی کے بارے میں اگرچہ کچھ تحریف موجود ہے مگر یہ فقرات آج تک موجود ہیں کہ:۔

(الف) "تُو نے اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے کو مجھ سے دریغ نہ کیا" (پیدائش ۲۲/۱۲)

(ب) "اسلئے کہ تُو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا ہاں اپنا اکلوتا ہی بیٹا دریغ نہ رکھا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا۔ اور بڑھاتے ہی تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کے کنارے کی ریت کی مانند بڑھاؤں گا اور تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازے پہ قابض ہوگی۔ (پیدائش ۲۲/۱۶-۱۷)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قربانی اکلوتے بیٹے کی ہوئی تھی۔ جس کے ذبح ہوجانے سے بظاہر گویا نسلِ ابراہیمؑ کے خاتمہ کا احتمال تھا۔ اسی لئے یہ قربانی غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی۔ اکلوتے بیٹے کا لفظ حضرت اسحاقؑ پر کسی زمانے میں بھی

اطلاق نہیں پاسکتی۔ البتہ چودہ پندرہ برس تک حضرت اسمٰعیلؑ اکلوتے بیٹے تھے۔ کیونکہ ابھی تک نہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت ملی تھی اور نہ وہ پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کی ساری امیدوں اور دُعاؤں کی آماجگاہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے پس صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ یہود و نصاریٰ نے بلا وجہ اس موقعہ پر حضرت اسحاقؑ کا نام داخل کردیا ہے مگر اکلوتے بیٹے کا لفظ ان کی اس تحریف پر **شاہد ناطق** ہے اور اس سے صاف ثابت ہے کہ قربانی حضرت اسمٰعیلؑ کی ہی ہوئی تھی۔

اس جگہ یہ بات بھی خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ اس قربانی کی قبولیت کے طور پر اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل کو بڑھانے اور انہیں ایسی اولاد دینے کا وعدہ فرمایا ہے جو دشمنوں کے دروازوں پر قابض ہوگی۔ اور یہ صورت بھی حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح اللہ ماننے سے ہی پوری ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اسمٰعیلؑ کی قربانی کو نواز کر حضرت ابراہیمؑ کو دوسرے ہونہار بیٹے حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی تھی۔ اور حضرت اسحاقؑ کی نسل بھی دشمنوں پر غالب آتی رہی ہے پس ثابت ہوا کہ ذبیح اللہ درحقیقت حضرت اسمٰعیلؑ ہی تھے۔

یہود و نصاریٰ کا اعتراض اور اسکا جواب

بائیبل میں لکھا ہے کہ:۔

(الف) "اس (سارہؓ) نے ابرہام سے کہا کہ اس لونڈی (ہاجرہؓ) اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کیساتھ وارث نہ ہوگا۔ پر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات **ابراہام کی نظر میں نہایت بُری معلوم** ہوئی۔ خدا نے ابرہام سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بُری نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں جو سرہ نے تجھے کہی اس کی آواز پر کان رکھ کیونکہ تیری نسل اضحاق سے کہلائیگی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی مَیں **ایک قوم پیدا کروں۔ اسلئے کہ وہ بھی تیری نسل** ہے" (پیدائش ۲۱/۱۰-۱۳)

(ب) "خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا۔ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سُنی۔ اُٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ مَیں اس کو **ایک بڑی قوم بناؤں گا**۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جاکر اس مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہوگیا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اس سے بیاہنے کو لی" (پیدائش ۲۱/۱۷-۲۱)

(ج) "یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے۔ مگر لونڈی کا لڑکا جسمانی طور پر اور آزاد کا لڑکا وعدے کے سبب سے پیدا ہوا۔ اِن باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے اسلئے کہ یہ عورتیں گویا دو عہد ہیں۔ ایک کوہ سینا پر کا جس سے غلام ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہاجرہ ہے۔ اور ہاجرہ عرب کا کوہِ سینا ہے اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے۔ کیونکہ وہ اپنے لڑکوں سمیت غلامی میں ہے۔" (پولوس کا خط بنام گلتیوں $\frac{۴}{۲۲-۲۵}$)

بائیبل کے اِن اقتباسات میں ایک بات بطور اعتراض بیان کی گئی ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ لونڈی کے بیٹے ہیں اور حضرت ہاجرہؑ لونڈی تھیں۔ یہ اعتراض انتہا درجہ کا بودا اعتراض ہے اور سمجھ نہیں آتا کہ یہود و نصاریٰ نے کس عقل کے ماتحت اِس اعتراض کو اپنی الہامی کتاب میں داخل کر لیا ہے اور پھر اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ اِس اعتراض کا الحاقی ہونا تو اسی سے ظاہر ہے کہ خود اِن حوالجات سے یہ بھی ثابت ہے کہ:-

(۱) حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنا محبوب بیٹا سمجھتے تھے۔ انہیں سارہ کی تجویز نہایت بُری معلوم ہوئی۔

(۲) خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو اطمینان دلایا کہ اسمٰعیلؑ ضائع نہ ہوگا بلکہ میں اسے بھی ایک قوم کا جدِّ اعلیٰ بناؤں گا۔ اسلئے کہ "وہ بھی تیری نسل ہے۔"

(۳) خدا تعالیٰ نے اسمٰعیلؑ کی آواز کو سُن کر چاہِ زمزم جاری فرمایا۔

(۴) خدا تعالیٰ نے ہاجرہؑ سے وعدہ کیا کہ میں اسمٰعیلؑ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔

(۵) خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ فاران کے بیابان میں پرورش پاتا رہا۔

(۶) حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ خدا کے دو عہد ہیں۔ سارہ اسرائیلیوں کا عہد ہے اور ہاجرہ عرب کا۔

اِن عظیم بشارتوں اور پیشگوئیوں کے باوجود یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ ہاجرہ لونڈی تھی اسلئے حضرت اسمٰعیلؑ آسمانی برکتوں کے وارث نہیں ہوسکتے انتہائی حق پوشی ہے۔ کیا کوئی خدا ترس انسان ایسی بناوٹ کی جرأت کر سکتا ہے؟ مَیں کہتا ہوں کہ اوّل تو حضرت ہاجرہؑ کو لونڈی قرار دینا تاریخی طور پر غلط ہے۔ وہ شاہِ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ نے اپنی شاہزادی کو حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دیتے ہوئے اگر اسے ابراہیمؑ کی لونڈی قرار دیا ہو تو یہ شرفاء کا طریق ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر غلام یا لونڈی ہونے سے نسل ہمیشہ کے لئے آسمانی برکات سے محروم ہو جاتی ہے تو ماننا پڑیگا کہ اسرائیلیوں کا سارا سلسلہ ہی غلط ہے کیونکہ خود بائیبل میں لکھا ہے:-

(الف) "انہوں (برادرانِ یوسفؑ) نے یوسف کو کھینچ کے کنوئیں سے باہر نکالا اور اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے کو بیچا اور وے یوسف کو مصر میں لائے۔" (پیدائش $\frac{۳۷}{۲۸}$)

(ب) "یوسف کو مصر میں لائے اور فوطیفار مصری نے

جو فرعونی امیر اور بادشاہ کے جلوداروں کا
سردار تھا اس کو اسماعیلیوں کے ہاتھ سے
جو اسے وہاں لائے تھے مول لیا۔
(پیدائش ۳۹/۱)

گویا حضرت یوسفؑ جو بنی اسرائیل کے حضرت یعقوبؑ کے بعد جدّ اعلیٰ ہیں وہ خود اسماعیلیوں کے غلام بن چکے ہیں۔ اگر حضرت اسمٰعیلؑ اسلئے ابراہیمی وعدوں کے وارث نہیں کہ ان کی والدہ لونڈی تھیں تو ماننا پڑے گا کہ بنی اسرائیل کے سب نبی حضرت حضرت موسیٰؑ سمیت ابراہیمی وعدوں سے محروم ہیں کیونکہ وہ یوسفؑ کی نسل ہیں جو اسماعیلیوں کا اور مصریوں کا غلام رہ چکا ہے۔ کیا یہود و نصاریٰ اس پوزیشن کو قبول کریں گے؟

افسوس ہے کہ اعتراض کرتے وقت یہود و نصاریٰ یہ بھی ملحوظ نہیں رکھتے کہ نسل مرد کی طرف سے چلتی ہے نہ کہ عورت کی طرف سے۔ اسمٰعیلؑ جب حضرت ابراہیمؑ کے فرزند ہیں اور موعود فرزند ہیں تو زمین کے فرزندوں کا کیا حق ہے کہ ان پر آسمانی بادشاہت کے دروازے بند قرار دیں؟

دائمی عہد اور اس کے دو نشان

اس ضمن میں ہمیں بائیبل سے مزید رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا تھا کہ:-

"مَیں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد
تیری نسل کے درمیان ان کے پُشت در پُشت کیلئے
اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہو کرتا ہوں کہ مَیں تیرا
اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور مَیں تجھکو
اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام مُلک
جس میں تُو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کیلئے مِلک ہو
اور مَیں ان کا خدا ہوں گا۔ پھر خدا نے ابراہام سے
کہا کہ تُو اور تیرے بعد تیری نسل پُشت در پُشت
میرے عہد کو نگاہ رکھیں اور میرا عہد جو میرے اور
تمہارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان
ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک
فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی
کھلڑی کا ختنہ کرو اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو
میرے اور تمہارے درمیان ہے۔" (پیدائش ۱۷/۷-۱۱)

ان آیات میں نسلِ ابراہیمؑ سے ختنہ کا عہد لیا گیا اور انہیں سرزمین کنعان کا مالک بننے کی بشارت دی گئی ہے۔ ان دونوں باتوں کے لحاظ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد ابراہیمی وعدوں کی وارث ہے۔ عرب میں اور پھر اسلام میں ختنہ کا عہد قائم و دائم ہے جبکہ عیسائیوں نے اس عہد کو منسوخ کر دیا۔ پھر مسلمانوں کو صدیوں تک کنعان پر قابض بھی بنایا گیا۔ پس خدا کی فعلی شہادت سے بھی ثابت ہے کہ نسلِ اسماعیل فی الواقع خدائی وعدوں کی وارث ہے اور یہ ورثہ اسی لئے عظیم اور دائمی ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے ایک بے مثال قربانی پیش کی تھی اور وہ ذبیح اللہ قرار پائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے خاتم النبیینؐ کو نسلِ اسمٰعیلؑ میں سے مبعوث فرما کر اس قربانی کی قبولیت کا دائمی ثبوت فراہم کر دیا۔ مبارک ہیں وے جو خدا کی باتوں پر ایمان لائیں ٭

ایک نہایت دلآویز واقعاتی تخیل

دو غاریں

اسلام کا مکی اور مدنی آغاز

غارِ حراء

اسلام کے ظہور سے قبل دنیا تیرہ و تار تھی۔ شرک، بُت پرستی اور اخلاقی گراوٹ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ انسانیت پستی کے عمیق گڑھوں میں گری ہوئی تھی۔ سرزمینِ عرب اِس بھیانک حالت میں سارے ممالک اور اقالیم سے آگے تھی۔ اسی خطۂ زمین کے شہر مکہ میں ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسی جگہ آپؐ نے بچپن اور جوانی گزاری۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیسا بچہ ہے جو دوسرے بچوں کی طرح ماحول کے رنگ میں رنگین ہو کر بیہودہ حرکات کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہ کیسا جوان ہے جو سب جوانوں سے نرالا ہے۔ نہ دوسرے جوانوں کی طرح رنگ رلیاں مناتا ہے، نہ ان کی طرح شراب نوشی کرتا ہے، نہ ان کی مانند دوسری بداخلاقیوں میں مبتلا ہے۔ اس کا بچپن بھی عجیب تھا، اس کی جوانی اس سے بھی عجیب تر تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ شاید اس کے دل میں احساس نہیں، اس کا سینہ امنگوں سے خالی ہے۔ مگر اسے نزدیک سے دیکھنے والے ان کی تردید کر دیتے اور کہتے کہ ہم نے اس سے زیادہ صاحبِ ذوق و صاحبِ احساس اس ساری وادی میں نہیں دیکھا۔ وہ تو جذبات کا ایک مجسمہ ہے اور اس کا سینہ اعلیٰ امنگوں سے بھرپور ہے۔ وہ خود بھی قوم کی ہر بھلائی میں شریک ہوتا تھا۔ ان کی نیک باتوں میں حصہ دار ہوتا تھا۔ اگر مظلوموں کی حمایت کا سوال ہو تو محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم پیش پیش نظر آتے تھے۔ اگر قوم میں صلح و آشتی کے قائم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو سب کی نگاہیں ہمارے محبوب آقا کی تلاش میں سرگرداں ہوتی تھیں۔ بہرحال قوم کے لوگ حیران و ششدر رہتے کہ بنو ہاشم میں یہ کیسا نوجوان پیدا ہوا ہے۔ لوگ اس مقدس نوجوان کی حالت پر حیران تھے اور وہ لوگوں کی حالت سے صدمہ زدہ اور رنجور رہتا۔ اس کا دل زخمی تھا کہ عرب کے لوگ تفرقہ و شقاق کا شکار بن گئے ہیں۔ اخلاق سے عاری ہو چکے ہیں۔ ظلم و ستم ان کا شیوہ ہے کمزوروں اور ناتوانوں پر تعدی کرنا ان کا شعار بن چکا ہے۔ قوم سے عفت و عصمت عنقا ہو چکی ہے۔ عورتوں کا ناموس جاتا رہا ہے۔ ہر جگہ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ روشنی کا مینار کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ شہر بھی بداطواریوں کے آماجگاہ بن چکے

تھا اور دیہات بھی شر و فساد سے بھر پور تھے۔ اِن بظاہر مایوس کن حالات کو دیکھ کر حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خون ہو گیا۔ آپؐ کو آبادیوں میں چین نہ ملا۔ آپؐ کو ویرانوں میں بھی اِن حالات کا مداوا نظر نہ آیا۔ دل میں ایک اُبال اُٹھتا اور قلب کی گہرائیوں میں بے چینی موجزن ہوتی۔ مگر آپؐ کچھ نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی کوئی اور کرنے والا نظر آتا تھا۔ اسی بے تابی کے عالم میں آپؐ مکہ سے باہر چند میل کے فاصلے پر ایک غار میں گئے۔ تنہائی تھی، قوم کی زبوں حالی کا تصور تھا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا حساس دل تھا۔ آستانۂ الوہیت پر پانی ہو کر بہہ گیا۔ درد کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس دردمند دل کی آہیں عرش تک پہنچیں۔ اور آسمان و زمین کے خالق کی طرف سے رحمت کے آثار ہویدا ہوئے۔ مکہ میں رہتے رہتے اس ماحول سے جب بھی دل بے تاب ہو جاتا ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پُر رونق مکہ کو چھوڑ کر اسی غار حرا میں ڈیرہ جا لیتے اور کئی کئی راتیں اسی تنہائی میں روتے دھوتے گزار دیتے۔ آپؐ کی وفا شعار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپؐ کے دل کی تڑپ سے آشنا تھیں اور آپؐ کی پاکیزہ زندگی کی ابتداء سے گواہ تھیں آپؐ کے غار حرا میں آنے پر کچھ خوراک ساتھ باندھ دیتی تھیں۔ جس سے آپ حراء کی خلوت میں گزارہ کر لیتے تھے۔ لوگ خوش گپیوں میں مشغول تھے، رنگ رلیوں میں مصروف تھے مگر ان کے غم میں ہمارے آقا غار کے اندر حزیں و دلفگار تھے۔ لوگ راتوں کو سوتے تھے مگر آپؐ قوم کی اصلاح و ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روتے تھے۔ یہ ایک دو دن کی بات نہ تھی، بلکہ مہینوں اور سالوں تک یہی سلسلہ جاری رہا اور اسی طرح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ دنیا کی بُری حالت پر خون کے آنسو روتے رہے۔ آخر وہ گھڑی آ پہنچی کہ ابرِ رحمت کا نزول ہوا، روشنی کی کرن اُبھری اور اُمید کا پیغام خدائے ذوالجلال کی طرف سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل ہوا۔ عالمِ مثال میں جبرئیل سامنے ہیں، گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ اے رونے والے انسان خوش ہو کہ تیری سب دعائیں سُنی گئیں اور ساری نسلِ انسانی کے لئے ابد الآباد تک ہدایت کا پیغام اُترنے والا ہے۔ حضرتؐ کا دل اس روحانی پیغام سے مسرور تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں میں غرقاب انسانیت کو بچانے کے لئے ناخدا پیدا ہونے والا ہے۔ لیکن جبرئیل کی معرفت رب العرش کا یہ پیغام سُن کر آپؐ ہکا بکا رہ گئے کہ فسق و فجور کے بحرِ زخار کے بھنور میں پھنسی ہوئی انسانیت کی کشتی کے بچانے اور ساحلِ نجات پر پہنچانے کے لئے آپؐ کو ہی ناخدا مقرر کیا جاتا ہے اور آپؐ ہی وہ رسول ہیں جو ساری قوموں اور سارے زمانوں کے لئے ہدایت و رُشد کا پیغام لانے والے ہیں۔ آپ اس تصور سے کچھ حیران تھے کہ پورے جلال اور کامل تجلّی کے ساتھ **پہلی ربانی وحی** آپؐ پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

اِقرأ باسم ربّك الّذی خلق ۞
خلق الانسان من علق ۞ اِقرأ
وربّك الاکرم ۞ الّذی علّم
بالقلم ۞ علّم الانسان مالم
یعلم ۞

اے ہمارے فرستادہ ! تو اپنے پیدا کرنے والے

رب کا نام دنیا میں بلند کر۔ اس نے انسان کو اپنے ساتھ گہرے تعلق کی خاطر پیدا کیا ہے یا لوتھڑے سے اس کی تخلیق کی ہے۔ تُو پڑھ اور تیرا رب بڑی عزتوں کا مالک ہے جس نے انسان کی تعلیم کے لئے قلم کو ذریعہ بنایا اور اُسے وہ علوم سکھائے گا جو ابھی تک اسے معلوم نہیں۔

اِن چھوٹی چھوٹی پانچ آیات کو دل کے کانوں سے سُنکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس یقین سے لبریز ہو گئے کہ اب اصلاح خلق کا یہ عظیم بوجھ میرے ہی نحیف کندھوں پر رکھا جا رہا ہے اور مَیں ہی انسانیت کے سامنے وہ لازوال پیغام پیش کرنے کے لئے مامور کیا جا رہا ہوں جو ہمیشہ کے لئے علوم کا سرچشمہ ہوگا اور انسان کو خدا سے ملانے والا ہوگا۔

وحی کی کیفیت ختم ہونے پر آپؐ نے پھر اپنے چاروں طرف نظر کی اور ہر طرف ہولناک تاریکی اور کفر و فسق کی سیاہ گھٹاؤں کو دیکھ کر آپؐ کا دل کچھ زیادہ دھڑکنے لگا اور آپؐ اسی حالتِ بیم و رجا میں واپس گھر تشریف لائے اور آتے ہی اپنے اہلِ بیت سے کہا کہ مجھے کپڑے اوڑھا دو۔ اور آپؐ کچھ دیر استراحت فرماتے رہے۔ بعد ازاں آپؐ نے غارِ حرا کا سارا ماجرا کہہ سُنایا اور فرمایا کہ یہ تو اتنا بوجھ ہے کہ مَیں اتنی بڑی ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ اور کفر کے اِس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو ایمان کی خوشگوار فضا سے بدلنے میں کس طرح کامیاب ہوں گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو حضرت کی زندگی کے تمام مراحل کی چشمدید گواہ تھیں اور آپؐ کے سامنے آپؐ کا کوئی راز مخفی نہ تھا بے ساختہ پکار اُٹھیں۔ کہ حراء میں جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے وہ خدا کا کلام ہے اور آپ اب خدا کے رسول مقرر ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو آپ کے مشن میں ناکام نہ ہونے دے گا۔ اور آپ کبھی رُسوا نہ ہونگے۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجھ کے نیچے دبے ہوئے لوگوں کی مدد فرماتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مصیبت میں کام آتے ہیں۔ اور بے بس لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔ اور نایاب اخلاق فاضلہ کا آپ ہی سرچشمہ ہیں۔ اِن حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو ناکام و نامراد ہونے دے۔ آپ کامیاب ہوں گے اور ضرور کامیاب ہوں گے۔

مزید تسلی کے لئے حضرت خدیجہؓ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ ایک دیندار عیسائی تھے اور پُرانے صحیفوں سے واقف تھے انہوں نے ساری سرگذشت سُن کر فوراً فرمایا کہ یہ تو اسی طرح کا کلام ربانی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ پھر کہنے لگے کہ کاش اس وقت مَیں مضبوط و توانا ہوں جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی تا مَیں آپ کی مدد کر سکوں پیغمبر علیہ السلام آخری الفاظ سُن کر چونک پڑے اور فرمایا اَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ۔ کیا مکہ والے مجھے نکال دیں گے؟ مَیں جو قریش کی آنکھ کا تارا ہوں اور سب مجھے صدوق و امین کہتے ہیں، مَیں جو قوم کی بھلائی کے خیال میں گھُل رہا ہوں کیا مکہ والے قریش مجھے مکہ سے شہر بدر کر دیں گے؟ ورقہ نے پوری سنجیدگی سے کہا کہ ہاں ہاں آپ کو بھی نکال دیں گے۔ کیونکہ آپ وہ آسمانی تعلیم لے کر آئے ہیں کہ اس کے لانیوالے ہر فرد کی فرزندانِ تاریکی کی طرف سے شدید مخالفت ہوتی ہے اور آپ کی بھی ہوگی۔ اس کے بعد ورقہ تو تھوڑے دنوں میں فوت ہو گئے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دن رات غار حرا کے پیغام کو اہلِ مکّہ اور پھر ساری دنیا تک پہنچانے کا نصب العین تھا۔ آپؐ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر عرب کے دستور کے مطابق قبائل کو نام بنام بلایا اور سب جمع ہو گئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ لوگو! تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ سب نے یکزبان ہو کر کہا کہ ہم آپ کو راستباز مانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اِس پہاڑی کے پیچھے ایک بڑا لشکر جرار تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لوگے؟ قوم نے کہا کہ ضرور یقین کر لیں گے۔ کیونکہ ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں سُنا۔ اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے کہ:۔

"اے میری قوم! تمہاری بُری حالت
کے پیشِ نظر ایک ہولناک عذاب تم پر
آیا چاہتا ہے اور تمہارے لئے ہلاکت
مقدر ہے لیکن اِس مصیبت سے نجات
دینے کے لئے اللہ تعالےٰ نے مجھے تمہارے
لئے رسول اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔
اب تمہارا فرض ہے کہ میری باتوں کے
شنوا ہو اور میرے طریق کی پیروی
کرو۔ اور خدائے واحد کی پرستش کرو۔

اِس پیغام کو سُن کر مشرکین مکّہ برافروختہ ہو گئے اور اکثر نے اِس دعوتِ توحید پر ناک بھوں چڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا ابو لہب نے تو یہاں تک کہہ دیا۔ تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا۔ کہ تُو ہلاک ہو کیا تُو نے اِس پیغام کے سُنانے کے لئے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟ لوگ اِس پیغام نبوی کو سُنکر چہ میگوئیاں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو لَوٹ گئے۔ اور خدا کے برگزیدہ رسول کو یہ تسلّی تھی کہ غار حرا کی گہرائی اور خلوت میں میرے خدا نے مجھے جس پیغام کے پہنچانے کا حکم دیا تھا میں نے اسے صفا پہاڑی کی جلوت میں عمائدِ مکّہ تک واشگاف طور پر پہنچا دیا ہے۔ یہ تھا مکّی زندگی میں اسلام کا آغاز۔

غارِ ثور

اسلام کا پیغام مکّہ کے بُت پرستوں کی نظر میں انکے مذہب کی موت کا پیغام تھا اسلئے انہوں نے اندھا دُھند اس کی مخالفت شروع کر دی۔ پُورے تیرہ سال تک خدا کا فرستادہ محبّت اور سوزش سے تبلیغ کرتا رہا، انسانوں کی بہبودی کا پیغام دیتا رہا۔ مگر قوم کے لوگ عام طور پر اس کی محبّت کا جواب عداوت سے اور اس کی دلسوزی کا جواب سنگدلی سے دیتے رہے اور اُسے اور اس کے ماننے والوں کو ہر ظلم و ستم کا نشانہ بناتے رہے۔ دن گزرتے گئے، اسلام کی قبولیت کا حلقہ کمزوروں اور مظلوموں میں وسعت پذیر ہوتا گیا اور قریش کے متعدد زعماء کو بھی قبولِ حق کی توفیق نصیب ہوئی۔ اور یہاں اور وہاں دوسرے شہروں میں بھی اسلام کے پودے لہلہاتے نظر آنے لگے۔ یہ صورتِ حال قریش کے لئے سوہانِ روح تھی۔ وہ آگ بگولا ہو گئے اور ایک بھرپور وار کا فیصلہ کیا تا قریش کے چندہ نوجوان مل کر ایک ہی حملہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خاتمہ کر دیں اور اس طرح اسلام کے آفتاب کی روشنی کو پھیلنے سے روک دیں۔ اب تک چلنے پھرنے

کے قابل مسلمان مرد اور عورتیں ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے ہجرت کر چکے تھے ۔ اور غالباً مکہ میں اس وقت تین ہی مرد موجود تھے ۔ نوجوانوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ادھیڑ عمر والوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ۔ جس رات قریش مکہ نے متفقہ حملہ کی ٹھانی تھی اسی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مکہ سے ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا ۔ حضرت علیؓ کی یہ قربانی تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے بستر پر سو گئے تاکفار مغالطہ میں رہیں اور آپ صبح کفار مکہ کی وہ امانتیں واپس کر سکیں جو انہوں نے ہزار دشمنی کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آج تک رکھی ہوئی تھیں ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہجرت فرمائی ۔

نبیوں کا چاند رات کی تاریکی میں مکہ سے ایک جاں نثار رفیق کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت فرما ہوا ۔ راتوں رات ایک منزل طے کی ۔ صبح کی روشنی میں جب مکہ والوں پر کھلا کہ حضورؐ تو مکہ سے تشریف لے گئے تو وہ بوکھلا اٹھے اور چاروں طرف اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے یا آپؐ کو قتل کر کے آپؐ کا سر لائے گا اسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا ۔ اس پر خونی بھیڑیے اور لالچ کے بندے چاروں طرف نکل کھڑے ہوئے اور چپہ چپہ چھان مارا حتّٰے کہ مکہ کی ایک ٹولی ایک ماہر سراغرساں کی رہنمائی میں پاؤں کے نشانات کا تتبع کرتی ہوئی ایک غار کے منہ تک جا پہنچی یہ غار ثور تھا ۔ اور فی الواقع اسی غار میں اس وقت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ پناہ گزین تھے ۔ بظاہر حالات یہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت تھا اور یوں نظر آتا تھا کہ اسلام کا کوئی مستقبل نہیں رہا ۔ مکہ سے آپؐ ہجرت کر چکے تھے اور مدینہ ابھی پہنچے نہ تھے ۔ غار میں پناہ گزین تھے ۔ مگر خون کے پیاسے دشمن اسی غار کے منہ پر کھڑے ہیں ۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر یہ لوگ نیچے جھک کر دیکھیں گے تو ہمیں دیکھ لیں گے ۔ اس پر غار حراء میں وحیٔ ربانی پانے والے نبی نے پورے وثوق اور کامل یقین سے فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے آپ ہرگز کسی قسم کا غم و حزن نہ کریں ۔ کبھی ممکن نہیں کہ میں ضائع کیا جاؤں اور کبھی ممکن نہیں کہ اسلام کی اشاعت میں روک پیدا ہو جائے ۔ قرآن مجید غار ثور کے واقعہ کو بایں الفاظ بیان فرماتا ہے :-

اِلّا تنصروہ فقد نصرہ اللہ
اِذْ اخرجہ الّذین کفروا
ثانی اثنَیْنِ اذ ھما فی الغار
اذ یقول لصاحبہ لا تحزن
انّ اللہ معنا فانزل اللہ
سکینتہٗ علیہ و ایّدہٗ
بجنود لم تروھا وجعل
کلمۃ الّذین کفروا السُّفلٰی
وکلمۃ اللہ ھی العُلیا
واللہ عزیزٌ حکیم ٥ (التوبہ)

لوگو! اگر تم اس رسول کی نصرت نہ کرو گے تو خدا تو بہرحال اس کی مدد کرے گا۔ اس نے تو اس وقت بھی اس کی مدد کی تھی جب کافروں نے اُسے اس حال میں نکال دیا تھا کہ اس کے ہمراہ صرف ایک ساتھی تھا۔ اور وہ وقت یاد کرو جب وہ دونو غار میں تھے۔ اور رسولؐ اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) سے کہہ رہا تھا کہ آپ غم نہ کریں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس پر سکینت نازل کی اور نادیدنی لشکروں سے اس کی مدد فرمائی۔ کافروں کا منصوبہ ناکام ٹھہرا اور خدا کی بات غالب ہوئی۔ اللہ تعالےٰ بہت غالب اور حکمت والا ہے۔"

ہوا یوں کہ سراغ رساں نے کہا کہ وہ دونوں اسی غار میں ہیں ورنہ آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ اس کے ساتھی عرب سرداروں نے کھوجی کا مذاق اُڑایا۔ اور کسی نے سرسری طور پر دیکھ کر کہا کہ اس غار کے مُنہ پر تو مکڑی کا جالا ہے اگر آدمی اندر گئے ہوتے تو یہ جالا نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی قسم کی گفتگو میں قریشی لیڈر غارِ ثور تک پہنچ کر ناکام لوٹ گئے۔ اور خدا کا رسولؐ اور اس رسولؐ کا اوّلین جانشین اس غار میں محفوظ رہے۔ بلکہ اس غار کے موقعہ پر آئندہ ہونے والے جملہ واقعات کو ایک فقرہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا میں نہایت لطیف پیرایہ میں بطور پیشگوئی بیان کر دیا گیا۔

غارِ ثور سے نکل کر یہ دونوں مقدس بزرگ سوئے مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے اور اس نئے وطن میں اسلام کے نئے مرکز کا قیام ہوا۔ اور اس طرح مدنی زندگی میں اسلام کا آغاز ہوا۔ مدنی زندگی کا کام مکّی زندگی کے کام سے بھی مشکل تر تھا۔ وہاں اگر بیرونی فتنے تھے تو مدینہ میں بعض اندرونی فتنے بھی سر نکالنے لگے۔ یہودیوں کی سازشیں اور منافقین کی فتنہ پردازی بھی کارفرما تھی۔ اور ادھر مکّہ سے قریش نے اسلام کو تہس نہس کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہو کر جنگ کی ابتدا کر دی۔ اور مسلسل آٹھ نو برس تک ہمارے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغی اور تربیتی فرائض کے علاوہ اسلامی فوجوں کی کمان بھی کرنی پڑی۔ بلاشبہ یہ امر درست ہے کہ ان جنگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ خاصہ اور بلند اخلاق کے ظہور کے نادر مواقع پیدا کئے۔ صحابہؓ کی مخفی استعدادوں کو منصۂ شہود پر آنے کا موقعہ دیا اور کھرے اور کھوٹے مسلمانوں میں امتیاز ہو گیا۔ مگر اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً امن چاہتے تھے اور آپؐ نے عین میدانِ جنگ میں بھی اس کے لئے مقدور بھر کوششیں فرمائیں۔ بہرحال مکّی زندگی میں اگر صبر، حوصلہ، قوتِ برداشت اور مظلومیت میں بلند اخلاق ظاہر کرنے کا موقعہ پیدا ہوا تو مدنی زندگی میں ہمّت، شجاعت، قوّتِ مدافعت اور فاتح ہونے کی صورت میں اخلاقِ فاضلہ کے اظہار کا موقعہ میسّر آیا۔ مدنی زندگی کے نو سال بیت گئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی زندگی کے آخری حج (حجۃ الوداع)

کا موقعہ پیدا ہوگیا۔

آج عرفات کے میدان میں ایک لاکھ چوبیس ہزار توحید پرست جمع ہیں اور سب کفن کی مانند دو چادریں پہنے لبّیك اللّٰھمّ لبّیك لا شریك لك لبّیك کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ اب عرب کی سرزمین میں کہیں شرک نہیں، بُت پرستی نہیں، فسق و فجور نہیں بلکہ ہر جگہ توحید ہے، خدا پرستی ہے، نیکی اور تقویٰ شعاری ہے۔ وہ پیغامِ خداوندی جو غارِ حرا میں ۲۳ تیئیس سال پہلے تنہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا تھا آج عرب کے کونے کونے میں پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مقدسوں کا مجمع اسی پیغام کا پھل ہے۔ آج ہمارے آقا کی رُوح خوش ہے کہ میں نے اپنے رب کے فرض کو ادا کر دیا اور اس کی توحید کو قائم کر دیا۔ آپؐ نے اس موقعہ پر سارے مجمع کو خطاب کرکے ایک تقریر فرمائی۔ آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں یہ بھی فرمایا کہ آئندہ اس نہج پر زندگی بسر کرنا کہ تم ایک دوسرے کے مال، جان اور عزت و آبرو کے محافظ ہو۔ بے کسوں کے سہارا ہو اور مصیبت زدوں کے ہمدرد ہو۔ نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتے رہو اور حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی سُستی نہ ہو۔ یہ دلکش وعظ کرتے وقت حضورؐ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ شاید آئندہ میں اس مقام پر کھڑا نہ ہوسکوں گا۔ میرے لئے یہ آخری موقعہ ہے اسلئے میری باتوں کو خوب کان کھول کر سُن لو۔ اور جو حاضر ہیں وہ غائب افراد تک میرے اس پیغام کو پہنچاتے رہیں۔ آپؐ نے پوچھا لوگو! کیا میں نے اپنے رب کا پیغام اچھی طرح پہنچا دیا ہے اور میں فریضہ تبلیغ سے سبکدوش ہوگیا ہوں؟ سب نے کہا ہاں حضور آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ صحابہؓ نے یہ بات تو کہدی، ان کو کہنی ہی چاہیئے تھی۔ مگر ان کے دل دھڑکتے تھے، ان کی زبانیں لرزتی تھیں اور ان کی آنکھیں نمناک تھیں۔ کیونکہ اُن کے کانوں میں یہ آواز گونج رہی تھی کہ

شاید میں آئندہ سال اس جگہ نہ ہونگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے اقرار کو سُن کر آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور اپنے پیارے رب سے جس نے آپؐ کو غارِ حرا میں اقرأ باسم ربّك الّذی خلق کا حکم دیا تھا مخاطب ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ! تُو گواہ رہ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ میں نے جان، مال، عزت و آبرو کی قربانی دے کر تیرے حکم کو پُورا کیا ہے اور وہ فرمان جو تُو نے مجھے غار کی تاریکی میں دیا تھا میں نے اُسے ہر اونچی اور نیچی جگہ پر پہنچا دیا ہے اور توحید پرست انسانوں کا یہ انبوہ شرک کے جنگل سے نکال کر تیرے آستانہ پر لا کھڑا کیا ہے۔ اب میں تو تیرے پاس آنا چاہتا ہوں۔ اب یہ ان کا کام ہے۔ کہ تیرے نام کو اور تیری توحید کو زمین کے کناروں تک پہنچائیں۔ میں تیری امانت ان مسلمانوں کو سونپ رہا ہوں۔ انہیں اس کا حقیقی امین بننے کی توفیق عطا فرمائیو۔ آمین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے حج کے بعد مدینہ تشریف لے گئے اور آئندہ حج سے پہلے حضورؐ کا وصال ہوگیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ بعد میں آنے والے ایک مسلمان نے حضرت اُمّ المؤمنین

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور عادات کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا جامع جواب دیا۔ فرمایا:-

کان خلقہ القرآن

کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق
قرآن کے عین مطابق تھے۔ جن باتوں
کے کرنے کا قرآن نے حکم دیا ہے آپ
کرتے تھے اور جن باتوں سے قرآن کریم
نے منع فرمایا ہے ان سے آپ بچتے تھے۔

اب اُمّتِ مُسلمہ کے لئے اُسوۂ رسولؐ کے جاننے کے لئے صحیح معیار قرآن پاک ہے۔ اور یہی وہ آبِ حیات ہے جس سے مُردے زندہ ہوں گے اور قومیں عزّت پائیں گی۔ یہ قرآن مجید ایک نسخۂ کیمیا ہے۔ مولانا حالی نے خوب فرمایا ہے ؎

وہ غارِ حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

معذرت اور اعلان

ماہِ ستمبر کا رسالہ بعض وجوہ سے چند دن تاخیر سے شائع ہو رہا ہے جس کا افسوس ہے۔ احباب سے معذرت خواہ ہوں۔

اس دفعہ بعض ضروری مضامین شاملِ اشاعت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ انشاء اللہ اگلے نمبر میں جو پانچ اکتوبر کو شائع ہوگا زیادہ صفحات کو دیئے جائیں گے اور تلافی ہو جائیگی۔ انشاء اللہ ـــــــــ (مینیجر)

شکریۂ احباب

گزشتہ دنوں سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے سلّمہ ربّہٗ تعالیٰ نے رسالہ الفرقان کی توسیع اشاعت کی تحریک فرمائی جو الفضل اور دوسرے جرائد میں شائع ہوئی۔ دفتر الفرقان نے اس تحریک کو حضور ایدہ اللہ بنصرہ کے ارشاد میں علیحدہ بھی شائع کیا ہے اور بذریعہ ڈاک بھی بہت سی جماعتوں میں بھجوایا ہے۔ مخلصین اس تحریک کا خاطر خواہ جواب دے رہے ہیں۔ جزاھم اللہ خیراً۔

مَیں نے اسی غرض سے ملتان، سکھر، کراچی اور کوئٹہ کا سفر موسمی تعطیلات میں کیا۔ وقت کی قلّت کے باوجود احبابِ کرام نے پورے تعاون سے کام لیا۔ آج تو نام بنام شکریہ ادا کرنا مشکل ہے اور یوں بہت سے دوست اسے پسند بھی نہیں کرتے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ہماری نیکی کی شہرت سے شاید آخرت کے بدلہ میں کمی ہو جاتی ہے۔ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ نام کے ذکر سے دوسرے دوستوں کو تحریک ہو جاتی ہے اور بعض کی غلط فہمی دُور ہو جاتی ہے۔

رسالہ کی توسیع اشاعت تین طرح سے ہو سکتی ہے (۱) آپ خود خریدار بنیں (۲) دوسرے احمدی احباب کو تحریک کر کے خریدار بنائیں (۳) طالبانِ صداقت غیر احمدی یا غیر مسلموں کے نام رسالہ جاری کرائیں۔ ہر قسم کا تعاون کرنے والے احباب ہمارے دلی شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں لیکن دوسرے اور تیسرے قسم کے تعاون کرنیوالے دوست تو خاص طور پر اس بات کے حقدار ہیں کہ ان کے لئے تحریکِ دُعا کی جائے۔ اسی نیت سے آیندہ نمبر میں ایسے احباب کے اسماء گرامی شائع کئے جائیں گے اور ایک علیحدہ فہرست حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں بھی پیش کی جائیگی تا انہیں بھی انکی تحریک پر عمل کرنے والوں کیلئے دُعا کا موقعہ پیدا ہو۔

(خادم ابو العطاء جالندھری)

مسلسل تفسیر

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کیساتھ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اے ایمان لانے والو! ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اس دن کے آنے سے

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ

پہلے پہلے خرچ کرتے رہو جب نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام دے گی اور نہ ہی سفارش فائدہ دے گی۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ

اور اس وقت کھل جائے گا کہ کفر کرنے والے ہی سخت ظالم ہیں۔ اللہ وہ کامل ذات ہے کہ اس کے سوا

تفسیر:

اس رکوع میں قیامت کے دن جب انسان کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی، کی یاد دہانی کرا کر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خدا کی طرف سے دی گئی قوتوں اور استعدادوں اور مال و دولت کو راہِ خدا میں خرچ کرکے سرخروئی حاصل کرلو۔ اور اپنے بُرے اعمال کی تلافی کرلو۔ دُنیا میں انسان اپنے جرائم کی سزا سے بچنے کے لئے سودا بازی کرلیتے ہیں، رشوت وغیرہ دے دیتے ہیں یا اپنے تعلقات اور دوستیوں کے باعث جرم کی سزا سے اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں اور یا کسی کی سفارش اور توسط سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن مجرم لوگوں کو ایسا کوئی ذریعہ حاصل نہ ہوگا جس سے وہ عقاب و سزا سے بچ سکیں۔ اس لئے یہی صورت ہے کہ وہ دنیا میں ہی اپنی اصلاح کرلیں اور اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ قوتوں اور دولتوں کو صحیح طور پر صرف میں لائیں۔

آیت اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم کا نام آیت الکرسی ہے۔ احادیث میں اس آیت کی بہت فضیلت مذکور ہے

إِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ

کوئی اور معبود نہیں۔ وہی کامل زندہ اور زندگی بخشنے والا ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور

لَا نَوْمٌ ۚ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ

نہ نیند۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ يَعْلَمُ

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں کوئی سفارش کر سکے۔ وہ خوب جانتا ہے

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ

جو اُن کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے۔ اور ان لوگوں کو خدا کے علم میں سے

یوں تو خدا کا سب کلام یکساں ہے مگر بعض جگہ صفاتِ الٰہیہ کا بیان ایسے انداز میں آیا ہے کہ انسان پر خاص اثر ہوتا ہے چنانچہ یہ آیت بھی انہی آیتوں میں سے ہے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ کو ہر طرح سے اور ہر زمانہ میں **حاضر و ناظر** ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے **الحی** اور **القیوم** ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے **علیم کل** ہونے کا ذکر ہے تا انسان کو یہ وہم نہ ہو کہ شاید اللہ تعالیٰ کو میرے اعمال اور افعال کا پتہ ہی نہیں اسلئے میں گرفت سے محفوظ رہونگا۔ جیسے وہ تمام چیزوں کا مالک ہے اور اس پر غفلت کی ادنیٰ سی قسم بھی طاری نہیں ہو سکتی اور اس کے آگے اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی سفارش بھی چل نہیں سکتی تو پھر انسان کا بھلا اسی میں ہے کہ اس زندہ اور کامل طاقتوں والے خدا سے قلبی تعلق پیدا کرے اور ہر طرح صبح اشتی اور اطاعتِ الٰہی سے دن گزارے۔ اپنے آپکو یہ دھوکہ نہ دے کہ میں جرم کرنے کے باوجود محفوظ رہ سکتا ہوں بلکہ ہر وقت خدا کی عظمت و جبروت سے ترساں رہے اور دن بھی پرہیزگاری سے بسر کرے اور راتیں بھی تقویٰ سے گزارے۔

آیت لا اکراہ فی الدین میں مدلل طور پر ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔ اصول یہ ہے کہ مذہب کے بارے میں جبر و اکراہ بالکل ناجائز ہے اسلئے کہ مذہب کا تعلق دل سے ہے اور دل پر کسی انسان کا جبر نہیں ہو سکتا۔ مذہب میں جبر کے معنے یہ ہیں کہ انسان کو دائمی طور پر اپنے دل اور اپنے ظاہری اعضاء میں باہمی کشمکش میں مبتلا کر دیا جائے۔ اس کا دل کچھ چاہتا ہے اور اس کی زبان سے کچھ اور کہلوایا جاتا ہے۔ اس کا دل ان اعمال کو پسند نہیں کرتا جو اس کے جوارح سے کروائے جاتے ہیں۔ یہ طریق حساس انسان کے لئے انتہائی اذیت دہ ہے اور اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور اسلام چونکہ نفاق کا سخت دشمن ہے اور اسے کسی جگہ بھی برداشت نہیں کرتا

بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

کسی چیز کا قطعاً علم نہیں ہو سکتا بجز اس مقدار کے جو خود خدا چاہے۔　　اللہ کی بادشاہت اور اس کا علم کامل

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ

آسمانوں اور زمین پر پوری طرح حاوی ہے۔　　اور آسمانوں اور زمین کی نگرانی اس پر کچھ بوجھل نہیں۔　　وہ

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ

بہت بلند تر اور کامل عظمتوں کا مالک ہے۔　　دین کے بارے میں کسی پر کسی قسم کا جبر روا نہیں۔ اس وقت (از روئے

تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

دلائل) ہدایت ضلالت سے کھلے طور پر ممتاز اور نمایاں ہو چکی ہے۔ پس جو تمرّد و سرکشی کی طرف دعوت دینے والے شیاطین وغیرہ کا انکار کرے

وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق

اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اس نے یقیناً ایسے مضبوط ترین کڑے یا بر تن کے کنارے (قابلِ اعتماد چیز) کو پکڑ لیا ہے

اسلئے اس نے مذہبی جبر کی شدید مذمت کی ہے اور اسے صریح طور پر ناجائز قرار دیا ہے۔

مذہبی جبر کو ناجائز ٹھہرانے کے لئے یہ دلیل بھی دی ہے کہ حق و باطل میں دلائل و براہین کے لحاظ سے صاف طور پر امتیاز ہو چکا ہے۔ حق کی حقانیت کے دلائل اتنے واضح اور روشن ہیں کہ کسی قسم کے جبر کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

اسلام کے تمام اصول و عقائد فطرت کے مطابق اور معقول ہیں اسلئے اس کے منوانے کے لئے کسی جبر و اکراہ کی ضرورت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ مجھے ہمیشہ ان لوگوں کی عقلوں پر تعجب ہوتا رہا ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے یا جبر سے پھیلا ہے۔ وہ لوگ اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ اسلام کے اصول تو انسانی عقل کو اتنا اپیل کرتے ہیں کہ اہلِ عقل جب غور کرتے ہیں تو خود بخود اس کی سچائی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ توحید، رسالت، فرشتے اور آسمانی صحیفے ان میں سے کونسا ایسا عقیدہ ہے جس کے منوانے کیلئے تلوار کی ضرورت پیش آتی ہو؟ پادری اور پنڈت صاحبان کے اس ظلم پر تو سخت افسوس ہوتا ہے کہ وہ عیسائیت اور ویدک دھرم کو اپنے ناقابلِ فہم عقائد اور نامناسب اعمال کے باوجود بغیر جبر کے پھیلنے والے دین مانتے ہیں مگر اسلام کو اس کی ہمہ گیر معقولیت اور فطرت سے کامل تطابق کے باوجود جبر سے پھیلنے والا ٹھہراتے ہیں۔ یا للعجب!

لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ

جس کے لئے شکستگی مقدر نہیں ۔ اللہ تعالےٰ خوب سُننے والا اور جاننے والا ہے ۔ اللہ تعالےٰ مومنوں کا

اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ

دوست ہے وہ انہیں شکوک، تاریکیوں اور مشکلات سے یقین، روشنی اور راحت کی طرف لے جاتا ہے جو لوگ خدا کا

كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ

انکار کردیتے ہیں ان کے دوست طاغوت ہیں جو انہیں نور اور روشنی سے دُور کرکے ظلمت اور تاریکیوں

اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

میں دھکیل دیتے ہیں یہ لوگ اہل جہنم ہیں اور بہت لمبے عرصہ تک

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع ۳۴ ۴ ۲

اس میں رہنے والے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا پر ایمان لانے والے اور شرک سے بیزاری اختیار کرتے والے بالکل محفوظ ہیں اور نہایت قابلِ اعتماد چیز سے ان کی وابستگی ہے۔ عربی زبان میں طاغوت ہر متمرد اور سرکش کو کہتے ہیں جو انسان کو خدا سے برگشتہ کردے۔ یہ لفظ شیطانوں پر بھی بولا جاتا ہے، انسانوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بُت بھی طاغوت کہلاتے ہیں۔

اہلِ ایمان کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور دوستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات کے وقت ان کی دستگیری فرماتا ہے اور ان کی مشکلات کا ازالہ فرماتا ہے۔ نور اور ظلمت کے الفاظ مادی روشنی اور تاریکی کے معنوں کے علاوہ معنوی اور روحانی روشنی اور تاریکی کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ آیت میں ان کا اطلاق نہایت وسیع ہے۔ عقائد صحیحہ کے بارے میں اشکال اور شک بھی ظلمات میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے یہ سلوک کرتا ہے کہ انہیں اگر ایسا کوئی اشکال پیش آجائے تو وہ اس کے ازالہ کے سامان فرماتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر جن متمرد اور سرکشوں پر کافر اعتماد کرتے ہیں وہ ان کے سامنے پیش کردہ ہدایت کے قبول کرنے میں بھی روکیں پیدا کرتے ہیں اور انہیں حق سے دُور تر لے جاتے ہیں ۔

احادیثِ نبویہؐ میں اسلامی زندگی کے لئے ہدایات

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

(۱)

[حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور اور مقبول عام صحیح البخاری کے علاوہ اور بھی بعض مجموعے تالیف فرمائے تھے۔ الادب المفرد آپ کے ان مجموعوں میں سے احادیثِ نبویہؐ کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔ جس میں زیادہ تر عملی زندگی کے متعلق پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں جمع کی گئی ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ الفرقان کی ہر اشاعت میں الادب المفرد سے انتخاب کا کچھ حصہ با ترجمہ شائع ہوا کرے ان شاء اللہ۔ اس کا مطالعہ روحانیت کے لئے بہت مفید ہوگا ——————— (ایڈیٹر)]

(۱) سألتُ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم ایُّ العمل احبّ الی اللہ عزّ و جلّ قال الصّلاۃ علی وقتها قلت ثمّ ایُّ قال برّ الوالدین قلت ثمّ ایُّ قال ثمّ الجهاد فی سبیل اللہ۔

ترجمہ:۔ راوی کہتے ہیں کہ مَیں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے پیارا ہے۔ فرمایا کہ نماز کا وقت پر ادا کرنا۔ مَیں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کس عمل کا درجہ ہے؟ فرمایا کہ ماں باپ سے حسن سلوک کرنے کا۔ مَیں نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کس عمل کا درجہ ہے؟ فرمایا اس کے بعد راہِ خدا میں جہاد کرنے کا درجہ ہے۔

(۲) قلتُ یا رسول اللہ من ابرّ قال اُمّك قلتُ من ابرّ قال امّك قلت من ابرّ قال امّك قلت من ابرّ قال اباك ثمّ الاقرب فالاقرب۔

ترجمہ:۔ راوی کہتے ہیں کہ مَیں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! مَیں کس سے حسن سلوک کروں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی والدہ سے حسن سلوک کرو۔ مَیں نے تین بار یہی سوال دُہرایا حضورؐ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ میرے پوچھنے پر فرمایا کہ پھر اپنے باپ سے حسن سلوک کرو اور اس کے بعد درجہ بدرجہ رشتہ داروں سے سلوک کرو۔

(۳) عن النّبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال لایجزی ولد والدہٗ
الّا ان یجدہٗ مملوکاً
فیشتریہ فیعتقہ۔

ترجمہ:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا سوائے ایسی صورت کے کہ اپنے باپ کو غلامی کی حالت میں پاکر اُسے خرید کر آزاد کر دے۔

(۴) جاء رجل الی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم یبایعہ علی
الھجرۃ وترک ابویہ
یبکیان فقال ارجع الیھما
واضحکھما کما ابکیتھما

ترجمہ:۔ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کی شرط پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا اور اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ آیا تھا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پہلے اپنے ماں باپ کے پاس واپس جاؤ۔ اور ان کو اسی طرح خوش کر کے اور ہنستے ہوئے چھوڑ کر آؤ جس طرح تم انہیں روتے ہوئے چھوڑ کر آئے تھے۔

(۵) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الا انبئکم باکبر الکبائر
ثلاثاً قالوا بلٰی یارسول اللہ
قال الاشراک باللہ وعقوق
الوالدین وجلس وکان
متکئاً الا وقول الزور۔

ترجمہ:۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہوں سے اطلاع نہ دوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ ضرور مطلع فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں کہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور ماں باپ کی نافرمانی کی جائے۔ اس مرحلہ تک حضورؐ تکیہ لگائے لیٹے ہوئے تھے پھر جوش سے اُٹھے اور فرمایا کہ تیسرا بڑا گناہ جھوٹی بات کرنا ہے۔ آپؐ نے اس کو بار بار دُہرایا۔

(۶) اخبرتنی اسماء بنت ابی بکر قالت
اتتنی امی راغبۃ فی عھد النبی
صلی اللہ علیہ وسلّم فسألت
النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلھا
قال نعم۔

ترجمہ:۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماءؓ نے اطلاع دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میری والدہ جو ہنوز اسلام نہ لائی تھیں میرے پاس آئیں اور انہیں رغبت تھی۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں والدہ کے غیر مسلمہ ہونے کے باوجود ان سے صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہاں ضرور کرو۔

کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اسلام کی حقیقت

"اسلام کیا چیز ہے؟ وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر پیچھے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے۔ ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے۔ بجلی کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے ہم پر اُترتی ہے۔ ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا وہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں۔ اِس حالت کا نام قرآن شریف کے رُو سے اسلام ہے۔ اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات کو موت آتی ہے۔ اور پھر دُعا سے ہم ازسرِنو زندہ ہوتے ہیں۔ اس دوسری زندگی کے لئے الہام الٰہی ہونا ضروری ہے۔ اِسی مرتبہ پر پہنچنے کا نام لقاءِ الٰہی ہے یعنی خدا کا دیدار اور درشن۔ اِس درجہ پر پہنچ کر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ گویا وہ اُس کو آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کو قوت دی جاتی ہے اور اس کے تمام حواس اور تمام اندرونی قوتیں روشن کی جاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے شروع ہو جاتی ہے۔ اسی درجہ پر آکر خدا انسان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے۔ اور زبان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بولتا ہے۔ اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے۔ اور کان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ سُنتا ہے۔ اور پیر ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اِسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ یہ اس کا ہاتھ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اور ایسا ہی فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ یعنی جو تُو نے چلایا تُو نے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے چلایا۔

غرض اِس درجہ پر خدا تعالیٰ کے ساتھ کمال اتحاد ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی پاک مرضی رُوح کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے

اور اخلاقی طاقتیں جو کمزور تھیں اس درجہ میں محکم پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں۔ عقل اور فراست نہایت لطافت پر آجاتی ہے۔ یہ معنے اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لئے مرنا اور خدا کے لئے ہزاروں دُکھ اُٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہوجاتا ہے کہ گویا ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے۔ ایک غیبی ہاتھ اس کو اُٹھائے پھرتا ہے اور خدا کی مرضیات کو پورا کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہرتا ہے۔ اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ کہ ہم اس کے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ تر نزدیک ہیں۔ ایسی حالت میں اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہوکر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے اسی طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقاتِ سفلی کالعدم ہوجاتے ہیں۔ اس کا اپنے خدا سے ایک گہرا تعلق ہوجاتا ہے اور وہ مخلوق سے دُور چلا جاتا اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے۔

اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے اب بھی دروازے کُھلے ہیں جیسے کہ پہلے کُھلے ہوئے تھے۔ اور اب بھی خدا کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے۔ جیسا کہ پہلے دیتا تھا۔ مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی۔ اور فقط بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کُھلتا۔ چاہنے والے بہت ہیں مگر پانے والے کم۔ اس کا کیا سبب ہے؟ یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی، سچی جانفشانی پر موقوف ہے۔ باتیں قیامت تک کیا کرو کیا ہو سکتا ہے۔ صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اور لوگ بھاگتے ہیں اس راہ کی پہلی شرط ہے۔ اگر عملی سرگرمی نہیں تو لاف زنی ہیچ ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

یعنی اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے؟ تو اُن کو کہہ دو کہ وہ تم سے بہت ہی قریب ہے۔ میں دُعا کرنے والے کی دُعا سنتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ دُعاؤں سے میرا وصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوجائیں"۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی تقطیع خورد صفحہ ۸۰ تا صفحہ ۸۲)

علّامہ نیاز فتحپوری ایڈیٹر "نگار" لکھنؤ کا بصیرت افروز بیان

حضرت بانیٔ سلسلہ اور احمدی عقائد کے بارے میں تحقیقات کا نتیجہ

جماعت احمدیّہ کی خدمات اسلام کا واضح اعتراف

لکھنؤ کے مشہور رسالہ "نگار" (اگست ۱۹۵۹ء) میں اس کے فاضل ایڈیٹر جناب نیاز فتحپوری صاحب نے "ملاحظات" کے ذیل میں " احمدی جماعت" کے عنوان سے ذیل کے ریمارکس شائع فرمائے ہیں۔ ان میں جس معقول انداز میں انہوں نے اپنی تحقیق کا نچوڑ بیان کیا ہے وہ ہر طالب صداقت کے لئے رہنما بن سکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر نیک نیتی سے احمدیہ تحریک کا مطالعہ کیا جائے تو تمام شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال ہم علامہ نیاز صاحب کا یہ تبصرہ شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں ——————— (ایڈیٹر)

ملاحظات

احمدی جماعت

اب سے تقریباً ۶۰ سال پہلے کی بات ہے جب مناظرہ کی ایک کتاب "سرمہ چشم آریہ" میری نگاہ سے گذری اور یہ تھا میرا اوّلین غائبانہ تعارف اس کتاب کے مصنّف جناب مرزا غلام احمدؐ صاحب (بانی جماعت احمدیہ) سے — میرے والد کو اس فن سے خاص دلچسپی تھی۔ اور یہ کتاب انہی کے اشارہ سے میں نے پڑھی تھی۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ اور بعض معقولی اساتذہ کے زیر اثر مذہب کا مجادلانہ ذوق میرے اندر بھی نشو و نما پا رہا تھا۔ اس لئے یہ کتاب مجھے پسند آئی اور بار بار میں نے اس کا مطالعہ کیا لیکن یہ مطالعہ صرف کتاب ہی تک محدود رہا۔ اور خود مرزا صاحب کی شخصیت یا ان کی مذہبی تبلیغ و اصلاح پر غور کرنے کا موقعہ مجھے نہ مل سکا۔ کیونکہ اس کی اہلیت و فرصت دونوں مجھے حاصل نہ تھیں۔ اوّل تو میں کمسن تھا۔ دوسرے درس نظامی کی "قال اقول" اور اس کی روایت پرستانہ گرفت سے کہاں چھٹکارا تھا کہ میں آزادی کے ساتھ کسی مسئلہ پر غور کر سکتا۔ تاہم یہ کتاب مرزا صاحب کی وسعت مطالعہ اور قوّت استدلال کا بڑا گہرا اثر میرے ذہن و فکر پر چھوڑ گئی اور عرصہ تک میں اس سے متاثر رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ احمدی تحریک کا آغاز اس وقت تک ہو چکا تھا یا نہیں

اور اگر ہو چکا تھا تو اس کے مقاصد و دعاوی کیا تھے لیکن اس کے بعد مزید کوئی نہ کوئی آواز اس جماعت کے متعلق میرے کانوں میں پڑ جاتی تھی اور وہ آواز یکسر مخالفانہ ہوتی تھی۔

زمانہ گزرتا گیا اور ختم تعلیم کے بعد بھی عرصہ تک میں احمدی تحریک سے بے خبر رہا۔ لیکن اس دوران میں بعض ایسی کتابیں ضرور میری نگاہ سے گزرتی رہیں جو اس تحریک کی مخالفت میں شائع ہوئیں۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میں ان سے متاثر بھی ہوا۔ لیکن یہ تاثر زیادہ تر سلبی قسم کا تھا ایجابی نہ تھا کیونکہ جو کچھ میں نے سنا وہ مخالفین کی زبان سے سنا۔ خود اس جماعت کے لٹریچر کی طرف سے میں بالکل خالی الذہن تھا۔

ان کتابوں نے بعض عجیب و غریب باتیں میرے ذہن نشین کرا دی تھیں۔ مثلاً یہ کہ جماعت اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتی۔ ان کی مسجدیں اور نمازیں جمہور سے علیحدہ و مختلف ہیں۔ وہ غیر احمدی جماعتوں سے رشتہ مصاہرت بھی قائم نہیں کرتے۔ نیز یہ کہ مرزا صاحب ختم نبوت کے قائل نہ تھے۔ اپنے آپ کو مثیل مسیح یا مہدی موعود کہتے تھے۔ وحی و الہام کا مہبط بھی قرار دیتے تھے اور برطانوی حکومت کی حمایت حاصل کرنا ان کی تحریک کا حقیقی مقصد تھا۔

اس میں شک نہیں ان میں سے بعض باتیں مجھے پسند نہیں آئیں اور میں اس تحریک کو بہ نظر استخفاف دیکھتا رہا لیکن جب اس کے بعد میں نے دائرہ تقلید و روایات سے ہٹ کر غایت مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور انہی علماء

اسلام کے اعمال و کردار کو سامنے رکھا جو اس تحریک کے سخت دشمن تھے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر احمدی جماعت گمراہ ہے تو غیر احمدی جماعتیں اور ان کے اکثر علماء (خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ، مقلد ہوں یا غیر مقلد، اہل قرآن ہوں یا اہل حدیث) کہیں زیادہ گمراہ ہیں۔ کیونکہ رسول اللہؐ کو خاتم النبیین ماننے کے بعد بھی وہ اسوۂ نبویؐ کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا احمدی جماعت باوجود انکار ختم نبوت کے (حالانکہ یہ الزام صحیح نہیں) کرتی ہے۔

اگر اسلام کی صحیح روح محض بلندی اخلاق و انسانیت کی ہے جس کا تعلق یکسر عملی زندگی سے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی ایک بے عمل جماعت کو تو ہم سچا مسلمان سمجھیں اور دوسری باعمل جماعت کو کافر و غیر مسلم قرار دیں۔ محض اس لئے کہ ان کا بانی و مؤسس کچھ ایسی باتیں کہتا ہے جو ناقابل قبول معلوم ہوتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو چند مخصوص شعائر و معتقدات نہ رکھتا ہو لیکن حقیقی مقصود محض اصلاح اخلاق ہے اور عبادات و معتقدات صرف ذریعہ ہیں تمدن و معاشرہ کی تنظیم اور اخوت و انسانیت کی ترویج و اشاعت کا۔

پھر اس حقیقت کے پیش نظر آپ مسلم جمہور اور ان کے علماء کے حالات و کردار کا مطالعہ کریں گے تو صورت حال بالکل "دگرگوں" نظر آئے گی۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ چند مابعد الطبیعاتی عقائد کو تسلیم کر کے رسمی عبادت کر لی جائے۔ اور حیثیت اجتماعی کے مسائل خیر و فلاح کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔

حالانکہ خدا نے یہ چیز خود انسان پر چھوڑی تھی۔

(لیس للانسان اِلّا ما سعیٰ)

اِس سلسلہ میں جب مَیں نے مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کا مطالعہ کیا تو عملی زندگی اور اصلاحی جدّ وجہد کے لحاظ سے کئی جماعتیں سامنے آئیں۔ بوہرہ ۔ میمن ۔ خوجہ ۔ بہائی اور احمدی۔ ان میں سے اوّل الذکر تین جماعتوں کو مَیں نے نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ وہ ایک مخصوص دائرہ کے اندر محدود ہیں۔ جس میں کوئی غیر شخص داخل نہیں ہوسکتا۔ بہائیوں[1] کا دائرہ عمل بے شک زیادہ وسیع ہے اور عقائد سے قطع نظر اخلاقی حیثیت سے اس کی وسعتِ نظر مجھے پسند آئی۔ لیکن چونکہ یہ عجمی تحریک ہے اور سرزمین ہند سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے اس کی کامیابی یہاں مجھے مستبعد نظر آئی۔ اب رہ گئی تھی صرف احمدی جماعت سو بے اختیار میرا جی چاہا کہ ان کی زندگی کا قریب تر مطالعہ کرنے کی غرض سے خود قادیان جاؤں لیکن افسوس ہے کہ یہ ارادہ فی الحال پورا نہ ہوسکا (ممکن ہے کبھی پورا ہوجائے) اور ان کا لٹریچر فراہم کرکے اس کا مطالعہ شروع کیا۔

پھر مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ از اوّل تا آخر مَیں نے اس کا سارا لٹریچر پڑھ لیا ہے۔ لیکن جتنا کچھ میسر آیا وہ بھی نتیجہ تک پہنچنے اور صحیح رائے قائم کرنے کے لئے کافی تھا۔

اِس سلسلہ میں سب سے پہلے ان کے معتقدات میرے سامنے آئے اور ان میں کوئی بات مجھے ایسی نظر نہ آئی جو جمہور مسلم کے معتقدات کے منافی ہو یعنی مسلمان ہونے کی جو شرطیں دوسری مسلمان جماعتوں میں ضروری قرار دی جاتی ہیں وہی ان کے یہاں بھی ہیں۔ اور ان کے اس عقیدہ کو نظر انداز کر دیا جائے کہ مرزا غلام احمد مثیلِ مسیح یا مہدی موعود تھے تو تمام عقائد و شعائر میں یکساں ہیں۔ مَیں نے ان کی تفاسیر دیکھیں۔ ان کا استناد بالاحادیث دیکھا۔ ان کی کتب تاریخ و سیر کا مطالعہ کیا۔ لیکن ان میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی جو مسلمہ جمہور کے خلاف ہو۔ یہاں تک کہ انکارِ ختمِ نبوت کا الزام بھی مجھے بالکل غلط نظر آیا۔

رہا دعویٰ مہدویت سو اس سے انکار کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آئی جبکہ خود کلام مجید سے ہر زمانہ اور ہر قوم میں کسی نہ کسی ہادی و مصلح کا پیدا ہونا ثابت ہے۔ اور مَیں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب جھوٹے انسان نہیں تھے۔ وہ واقعی اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتے تھے اور یقیناً انہوں نے یہ دعویٰ ایسے زمانہ میں کیا جب قوم کی اصلاح و تنظیم کے لئے ایک ہادی و مرشد کی سخت ضرورت تھی۔ علاوہ اس کے دوسرا معیار جس سے ہم کسی کی صداقت کو جان سکتے ہیں نتیجۂ عمل ہے سو اس باب میں احمدی جماعت کی کامیابیاں اس درجہ واضح و روشن ہیں کہ اس سے ان کے مخالفین بھی انکار کی جرأت نہیں کرسکتے۔ اس وقت دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان کی تبلیغی جماعتیں اپنے کام میں مصروف نہ ہوں اور انہوں نے خاص عزت و وقار نہ حاصل کر لیا ہو۔ پھر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ کامیابیاں بغیر انتہائی خلوص و صداقت کے

[1] الفرقان ۔ بہائیوں کا اصل لٹریچر پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اہل بہاء کی اخلاقی و دینی حیثیت کیا ہے؟ انکے عقائد کا کیا حال ہے۔ بہائیت تو وحید پرست انسان کو قبر پرستی پر لاگراتی ہے یا حق کا نام وسعتِ نظر رکھنا درست نہیں ہے۔

آسانی سے حاصل ہو سکتی تھیں۔ کیا یہ جذبۂ خلوص و صداقت کسی جماعت میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر اسے اپنے ہادی و مرشد کی صداقت پہ یقین نہ ہو، اور کیا وہ ہادی و مرشد اتنی مخلص جماعت پیدا کر سکتا تھا اگر وہ خود اپنی جگہ صادق مخلص نہ ہوتا۔

بہر حال اس سے انکار ممکن نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مخلص انسان تھے۔ اور یہ محض ان کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی بے عمل جماعت میں عملی زندگی کا احساس پیدا ہوا۔ اور ایک مستقل حقیقت بن گیا۔

دمید دانہ و بالید و آشیانہ شد

(ماہنامہ "نگار" لکھنؤ بابت اگست ۱۹۵۹ء
ص۲، ص۳، ص۴)

علامہ اقبال کی مخالفتِ احمدیت کا پس منظر

(بقیہ صفحہ ۲۰)

کشمیر کمیٹی تحلیل ہو گئی لیکن ڈاکٹر صاحب کی دلچسپی اور ہمدردی مسائل کشمیر اور مسلمانانِ کشمیر سے ہمیشہ کی طرح باقی رہی۔ گلانسی کمیشن نے اب رپورٹ شائع کر دی تھی۔ اس کمیشن نے سفارش کی تھی۔ کشمیر میں مکمل آزادی ہو، مذہبی عبادت گاہوں سے سرکاری قبضے کو برخواست کر کے انہیں عوام کے سپرد کر دیا جائے، تعلیم کی عام اشاعت ہو، ابتدائی مدارس زیادہ تعداد میں کھولے جائیں مسلم اساتذہ کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ ایک خاص عہدیدار مسلمانوں کی تعلیم کے انتظام کے لئے مقرر کیا جائے۔ تمام ملازمتوں کی باقاعدہ تشہیر ہو اور ہر فرقہ کو متناسب حصہ دیا جائے۔

گلانسی کمیشن کی اس رپورٹ کی بنا پر حکومت کشمیر نے اپنے ایک اعلامیہ کے ذریعہ کشمیر میں مکمل مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور جن مساجد پر سرکاری قبضہ تھا ان کو واگذاشت کرنے کے احکامات دیئے اور ان میں مداخلت کو جرم قرار دیا اور گلانسی کمیشن کی دیگر تمام سفارشات کو روبعمل لانے کا وعدہ کیا"۔

آلو

(بقیہ از صفحہ ۳۲)

گوندھ کر ان کے کباب بھی تلتے ہیں۔ ان کبابوں کے اندر پیاز یا اور کوئی ایسی چیز ڈال کر مزیدار بن سکتے ہیں۔ ان گوندھے ہوئے آلوؤں کو روٹی کی دو تہوں میں ڈال کر پراٹھے کے طور پر پکاتے ہیں۔ صبح ناشتہ کے وقت خوب مزہ دیتے ہیں۔ گندھے ہوئے آلوؤں میں نمک مرچ اور مصالحہ ڈال کر گھی یا تیل کو ڈال کر بھرتے کے طور پر کھاتے ہیں۔ اگر ان پہ کچھ لیموں کا عرق چھڑک دیا جائے تو نہایت لذیذ ہو جاتے ہیں۔

غرضیکہ آلو کو اگر کھانا چاہیں تو بہت طرح پکائے جا سکتے ہیں اور لذیذ اور مزیدار خوراک بن سکتی ہے۔

لیکن پھر بھی یہ کہوں گا کہ آلو بہت اور ارزاں ہونے چاہئیں تب ہی یہ ہمارے اناج کا نعم البدل ہو سکتے ہیں اور اس ضرورت کے وقت یہ کام پاکستان کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا +

قابلِ توجہ شذرہ

علامہ اقبالؒ کی مخالفتِ احمدیت کا پس منظر

روزنامہ "جنگ" کراچی کے استقلال ایڈیشن ۱۹۵۹ء (۱۴ راگست ۱۹۵۹ء) میں جناب محمد احمد خان صاحب کا ایک مضمون "اقبال اور قضیۂ کشمیر" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ واقعاتی طور پر اس مضمون کی تمام محتویات سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا مگر تاہم اس کے ایک حصہ سے علامہ اقبال کی اس مخالفت کا پس منظر معلوم ہوسکتا ہے جو انہوں نے آخری حصۂ زندگی میں احمدیت کی اختیار کی تھی۔ بہت سے لوگ حیران ہیں کہ علامہ اقبال جو بچپن سے احمدیت کے مداح رہے احمدیت کی طرف سے دفاع کرتے رہے اور اپنے لیکچروں میں اسے اسلامی نمونہ کی ٹھیٹھ تحریک قرار دیتے رہے ہیں وہ کیونکر یکدم احمدیت کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے؟ متذکرہ بالا مضمون کے اقتباس ذیل سے پتہ لگ سکتا ہے کہ علامہ اقبال کی مخالفت محض سیاسی وجوہ سے پیدا ہوئی انہوں نے افرادِ جماعت کی مخلصانہ خدمات پر لوگوں کے رجحان سے ناراض ہوکر احمدیت کا مقابلہ شروع کر دیا۔ اس مخالفت کا نتیجہ ظاہر ہے۔ الٰہی سلسلوں کو ہر قسم کے لوگوں کی مخالفت سے واسطہ پڑتا ہے۔ تا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کامل ظہور ہوسکے۔ علامہ اقبال کے سابقہ اچھے رویہ اور ان کی شاعرانہ عظمت کے پیشِ نظر خیال آتا ہے کہ علامہ اگر احمدیہ جماعت کے مخالفین کی صف میں شامل نہ ہوتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ (ایڈیٹر)

"اہلِ کشمیر کی ہمدردی میں برطانوی ہند کے مسلمانوں نے ایک دستوری اور پُرامن تحریک بھی شروع کر رکھی تھی۔ اور ہند کشمیر کمیٹی اس تحریک کا مرکز تھی۔

ڈاکٹر اقبال کو خاکِ کشمیر سے خاندانی تعلق تھا کیونکہ ان کے بزرگ اسی جنت نظیر کے رہنے والے تھے۔ ویسے خود ڈاکٹر صاحب کو اس خطۂ ارضی سے خاص تعلق خاطر رہا ہے۔ انہوں نے ہی تو کہا تھا کہ ع

تنم گلے از جنتِ کشمیر

اب جبکہ کشمیریوں پر یہ زمین تنگ کی جانے لگی تو بھلا ڈاکٹر صاحب خاموش کیونکر بیٹھ سکتے تھے چنانچہ انہوں نے کشمیر کمیٹی میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کشمیر کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ آئینی ذرائع سے مسلمانانِ کشمیر کو اُن کے واجبی حقوق دلائے جائیں۔ کشمیر کمیٹی نے پہلا کام یہ کیا کہ جو مسلمان کشمیر میں قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہے تھے

ان کو ممکنہ قانونی امداد دی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی دلچسپی سے کام لیا اور اپنے ذاتی اثر و تعلق سے بعض نامی گرامی وکلاء کو کشمیر روانہ کیا۔ پٹنہ کے مولوی نعیم الحق محض ڈاکٹر صاحب سے تعلق خاطر کے باعث کشمیریوں کی مدد کو پہنچ گئے۔ اسی طرح لاہور سے بھی ڈاکٹر صاحب نے بعض وکلاء کو روانہ کیا۔ علامہ مرحوم کے نواب سر حمید اللہ خان والیٔ بھوپال سے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور ادھر مہاراجہ کشمیر کے بھی والیٔ بھوپال سے دوستانہ مراسم تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے والیٔ بھوپال کے ذریعہ مہاراجہ کشمیر کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ مسلمانانِ کشمیر کے جائز مطالبات کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی مقرر کریں۔ چنانچہ اقبال کی مساعی کامیاب ہوئیں اور حکومت کشمیر نے گلانسی کمیشن کا تقرر کر دیا......

ادھر کشمیر کمیٹی اپنا کام برابر کئے جا رہی تھی۔ یہ کمیٹی جب قائم ہوئی تھی تو اس وقت خیال یہ تھا کہ یہ ایک عارضی کمیٹی ہوگی، اس لئے اس کا کوئی دستور مدوّن نہیں کیا گیا تھا اور صدر کو غیر معمولی اختیارات دیئے گئے تھے۔ اس وقت کمیٹی کے صدر امیر جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ کشمیر کے قضیہ نے طول کھینچا اور اب یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کمیٹی کا ایک باضابطہ دستور تیار کیا جائے اور نئے عہدیدار منتخب کئے جائیں۔ قادیانی حضرات نے اس خیال کی مخالفت کی۔ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس طرح ان کو کشمیر کمیٹی سے علیحدہ کر دینا مقصود ہے۔ اس لئے کہ اس وقت عام طور پر یہ خیال پھیل گیا تھا کہ قادیانی کشمیر کمیٹی کے توسط اور کشمیریوں کی ہمدردی کے نام سے دراصل اپنے عقائد کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ بہرحال اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور علامہ اقبال کو ان کی جگہ عارضی مدت کے لئے صدر منتخب کر لیا گیا۔

کمیٹی کے ایک دوسرے جلسہ میں دستور کا مسودہ بغرض منظوری پیش ہوا اس وقت قادیانی حضرات نے اس کی مخالفت کی۔ ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ کمیٹی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن بظاہر وہ ایک ہی جماعت رہے۔ پھر یہ حضرات کمیٹی سے زیادہ اپنے امیر کے مطیع اور فرمانبردار تھے اور کشمیر کے معاملات میں بھی اپنے امیر کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیتے تھے۔ چونکہ کشمیر کمیشن میں اصلی کام کرنے والے حضرات یہی تھے اور انہوں نے مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے استعفیٰ کے بعد دلچسپی لینی کم کر دی تھی اس لئے کشمیر کمیٹی کا کام سست پڑ گیا تھا۔ ان حالات میں ڈاکٹر صاحب نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہو جائیں۔ چنانچہ ۲۰ جون ۱۹۳۳ء کو آپ نے اس کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا اور اس کمیٹی کی تحلیل کا اعلان کر دیا۔

کشمیر کمیٹی کی تحلیل کے بعد قادیانی حضرات نے تحریک کشمیر کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنا چاہا اور اس کی صدارت کے لئے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی لیکن ڈاکٹر صاحب اب قادیانی تحریک کے سخت مخالف بن چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تحریک کشمیر کے نام سے قادیانی حضرات اپنے عقائد کی نشر و اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کشمیر کمیٹی کے یہ واقعات اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ انہی واقعات کے بعد ڈاکٹر صاحب نے قادیانی تحریک کی سختی کے ساتھ مخالفت کرنی شروع کی۔

ہماری خوراک کے مسائل

آلو

(جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کوئٹہ)

آجکل اخبارات میں اکثر آلو کھانے پر مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آلو پہلے امریکہ میں کھایا جاتا تھا۔ اس کے بعد یورپ میں آیا۔ وہاں رفتہ رفتہ اسکی خوراک میں اس قدر ترقی ہوئی کہ شاہی دسترخوان پر بھی آلو کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتا تھا۔ وہاں سے یہ ہندوستان میں آیا اور یہاں بھی یہ خوراک کا ایک اہم جزو بن گیا۔ آلو بحیثیت خوراک ایک بہت اچھی چیز ہے۔ اس میں سٹارچ (نشاستہ) پروٹین (لحمی غذا) نمکیات اور وٹامن یعنی سبزی کا حصہ بھی موجود رہتے ہے۔ آلو کا وہ حصہ جو چھلکے کے ساتھ ہوتا ہے اس میں لحمی غذا۔ نمکیات اور وٹامن بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اندر کے حصہ میں سٹارچ یعنی نشاستہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور باقی کے اجزاء نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ آلو مکمل غذا کے قریب قریب ہوتا ہے۔ اس میں روغنی مادہ یعنی تیل تقریباً بالکل نہیں ہوتا۔ اسی لئے اگر کوئی شخص محض آلو کھا کر ہی گزارا کرنا چاہے تو اس کو آلو زیادہ کھانے پڑیں گے۔ آلو میں تقریباً اسی فی صدی کے قریب پانی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر اناج یعنی گندم کی بجائے آلو کھائے جائیں تو تقریباً چھ یا سات گنا زیادہ کھانے پڑیں گے۔ پس اگر ہم اناج میں کمی کر کے آلو کھانا چاہیں تو آلو زیادہ پیدا کرنے چاہئیں اور ان کی قیمت اناج کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ ایک چوتھائی ہونی چاہیئے۔ اگر ان کی قیمت زیادہ ہوگی تو یہ اناج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ پس یہ محکمہ زراعت کا کام ہے کہ آلو زیادہ پیدا کرنے کی سکیم بنائیں اور آلو زیادہ پیدا کریں۔ اگر اس پر توجہ دی جائے تو یہ کام ہو سکتا ہے۔ اسوقت پاکستان میں خوراک کا ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ آبادی دن بدن زیادہ ہو رہی ہے۔ اناج کی پیداوار اتنی نہیں جو آبادی کے لئے کافی ہو سکے۔ ایسی ضرورت کے وقت ہمیں سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ زمین اور پانی کی کمی نہیں۔ مثلاً ملٹری اور سول افسروں کے بنگلوں میں پھولوں اور گھاس کے پلاٹوں کو آلو کے کھیتوں میں تبدیل کر دیا جائے کالجوں، سکولوں، ہسپتالوں اور دوسرے انسٹی ٹیوٹس میں جو جگہ فالتو ہو اس میں آلو بوئے جائیں۔ دیہات میں زمینداروں کے گھروں میں کافی بڑے صحن ہوتے ہیں وہاں یہ جنس پیدا کی جائے۔ غرضیکہ زمین کا کوئی حصہ بیکار نہ چھوڑا جائے۔ اسی طرح پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ جانے دیا جائے۔ پھر دیکھو آلو کس قدر پیدا ہوتا ہے۔

پہلی جنگ عظیم میں ۱۹۱۸ء میں میں فرانس میں ایک ملٹری ہسپتال میں تھا۔ ہسپتال شہر سے دور ایسی جگہ تھا جہاں پہلے کھیت تھے۔ جرمن کی آبدوز کشتیوں نے ہمارے بہت سے جہاز غرق کر دیئے تھے اسلئے راشن کم پہنچتا تھا۔ ایسی حالت

میں ہمارے ہسپتال میں جو جگہ خالی تھی اس میں آلو بوئے گئے سینکڑوں من آلو پیدا ہوئے جو سپلائی کے محکمہ نے بطور راشن تقسیم کئے۔ یہاں بھی ایسی مشکل کے وقت میں ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کو جس کے پاس فالتو زمین ہو اور کچھ پانی ہو ہم مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ آلو پیدا کرے۔ اس طرح ہم اناج کی کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

(ب) ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آلو کس طرح پکایا جائے
آلو جب زمین میں سے نکالے جائیں یہ دیکھا جائے کہ وہ سبز یا سبزی مائل نہ ہوں۔ یہ کچے ہوں گے اور ان میں سکاریج پوری طرح Developed نہیں ہو گی۔ اسی طرح گلے سڑے آلو استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ ان کو سٹور کرنے کا طریقہ بتانا محکمۂ زراعت کا کام ہے۔ ان کو خبرداری اور احتیاط کے ساتھ محکمۂ زراعت کی ہدایات کے مطابق سٹور کریں۔ یہ احتیاط رکھیں کہ ان میں کونپلیں پیدا نہ ہوں۔ جب آلو میں کونپلیں پیدا ہو جائیں وہ خوراک کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ البتہ بیج کے طور پر کام آتا ہے۔

کچے آلو کو چھری سے نہ چھیلیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے جلد کے ساتھ آلو کا وہ حصہ جو خوراک کے لحاظ سے سب سے قیمتی ہے چھل جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے۔

آلو کو جب اُبالنا ہو ٹھنڈے پانی میں ڈال کر آگ پر نہ رکھیں بلکہ پہلے پانی کو جوش دیں اور جوش کھاتے ہوئے پانی میں آلو ڈالیں۔ جب آلو سب متناسب پک جائیں ان کو پانی سے نکال کر ٹھنڈا کر لیں اور ناخن سے ان کا چھلکا اتار لیں۔ یہ اُبلے ہوئے آلو خواہ گوشت میں ڈالیں یا علیحدہ نمک لگا کر کھالیں۔ چھوٹے چھوٹے آلو کھانے میں مزیدار ہوتے ہیں۔ ان کو بغیر چھیلے خواہ سبزی کے طور پر چھلکے سمیت کھالیں یا کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا کر سالن بنالیں۔ خود ان کی بھجیا بھی بڑی مزیدار و لذیذ ہوتی ہے۔ آلو کو اگر محض بھاپ میں پکایا جائے تو اور بھی اچھا ہو گا۔ پانی میں خواہ کسی طرح اُبالیں اس کا کچھ نہ کچھ عرق نکل جاتا ہے۔ ایک دیگچی میں پانی ڈالیں اور پانی کی سطح سے کچھ اوپر پتلی پتلی لکڑیاں اس طرح رکھیں کہ پانی وہاں تک نہ پہنچے۔ ان لکڑیوں پر آلو رکھ کر دیگچی پر ڈھکنا رکھ دیں۔ اور ڈھکنے پر کوئی بھاری سی چیز رکھ کر دیگچی آگ پر رکھ دیں۔ اس طرح آلو پانی کی سطح سے اوپر رہے گا اور بھاپ سے پک جائے گا۔ آجکل کُکر (Cookers) بازار میں مل سکتے ہیں۔ ان میں آلو بھی اچھی طرح پک سکتے ہیں۔

آلو کو تنور یا چولھے کی گرم گرم راکھ میں بھی بھونا جا سکتا ہے۔ یہ اور بھی مزیدار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا عرق ان کے اندر رہتا ہے۔ دراصل آلو کو خواہ جوش کھاتے پانی میں ڈالیں یا بھاپ میں پکائیں یا راکھ میں بھونیں اس طرح سے اس کی جلد کے نیچے کی سطح کا البیومن یعنی لحمی حصہ سخت ہو جاتا ہے اور وہ ایک طرح کا ایسا غلاف بنا دیتا ہے جس میں سے اندر کے حصہ کا رس یا عرق اور دیگر اجزاء باہر نہیں نکل سکتے۔

آلو کے Chips بھی بناتے ہیں۔ چھلکے سمیت آلو کے پتلے پتلے چپ تراش کر گھی یا تیل میں تل لئے جائیں یہ کرارے اور مزیدار ہوتے ہیں۔ اُبلے ہوئے آلوؤں کو

حضرت امام ابن القیمؒ کا عیسائیوں سے سوال

حضرت امام ابن القیمؒ نے اپنے زمانہ میں نصرانیت کی بہت عمدہ پیرایہ میں تردید فرمائی تھی۔ یہ قصیدہ ان چند سوالات پر مشتمل ہے جو الوہیت مسیح کی واضح تردید ہیں۔ اہل علم مسلمانوں اور عیسائیوں کیلئے اس میں بہت سبق ہیں۔ اس قصیدہ کا ترجمہ مکرم مولوی عزیز الرحمن صاحب منگلا مولوی فاضل نے کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

أَعُبَّادَ الْمَسِيحِ لَنَا سُؤَالٌ نُرِيدُ جَوَابَهُ مِمَّنْ وَعَاهُ

اے مسیح کے پجاریو! ہمارا ایک سوال ہے۔ جس کا ہم سمجھدار لوگوں سے جواب چاہتے ہیں

إِذَا مَاتَ الْإِلٰهُ بِصُنْعِ قَوْمٍ أَمَاتُوهُ فَمَا هٰذَا الْإِلٰهُ

جب تمہارا معبود ایک قوم کے ہاتھوں مارا گیا تو وہ معبودِ حق کیسے ہو سکتا ہے

وَهَلْ أَرْضَاهُ مَا نَالُوهُ مِنْهُ فَبُشْرَاهُمْ إِذَا نَالُوا رِضَاهُ

اگر تو انہوں نے مسیح کی مرضی کے مطابق اسے قتل کیا تھا تب تو وہ قاتل قابل تعریف ٹھہریں گے کہ انہوں نے اس کی رضا حاصل کی

وَإِنْ سَخِطَ الَّذِي فَعَلُوهُ فِيهِ فَقُوَّتُهُمْ إِذًا أَوْهَتْ قُوَاهُ

اور اگر ان کا یہ فعل اس کی ناراضگی کا باعث تھا تو معلوم ہوا کہ ان کی طاقت مسیح کی طاقت پر غالب آگئی تھی

وَهَلْ خَلَتِ الطِّبَاقُ السَّبْعُ لَمَّا ثَوَى تَحْتَ التُّرَابِ وَقَدْ عَلَاهُ

اب بتلاؤ کہ جب مسیح قبر میں جا گڑا ہوا اور مٹی نے اسے ڈھانپ لیا کیا اس وقت ساتوں آسمان إلٰہ سے خالی ہو گئے؟

وَهَلْ خَلَتِ الْعَوَالِمُ مِنْ إِلٰهٍ يُدَبِّرُهَا وَقَدْ سُمِّرَتْ يَدَاهُ

کیا جس وقت سلاخیں اس کے ہاتھوں کو چھلنی کر رہی تھیں جہانوں کا کوئی مدبر خدا موجود نہ تھا؟

وَكَيْفَ أَطَاقَتِ الْخَشَبَاتُ حَمْلَ الْإِلٰهِ الْحَقِّ شُدَّ عَلَى قَفَاهُ

بھلا بتاؤ تو سہی کہ معبودِ حق جس کی گردن میں سنگین طوق تھے اسے صلیب کی لکڑی کیسے اٹھا سکی؟

وَيَا عَجَبًا لِقَبْرٍ ضَمَّ رَبًّا وَأَعْجَبُ مِنْهُ بَطْنٌ قَدْ حَوَاهُ

کیا عجیب قبر تھی جس نے رب کو اپنے پہلو میں لے لیا اور بہت ہی عجیب وہ پیٹ تھا جس نے رب کو مہینوں اپنے اندر رکھا

أَقَامَ هُنَاكَ تِسْعًا مِنْ شُهُورٍ لَدَى الظُّلُمَاتِ مِنْ حَيْضٍ غِذَاهُ

وہ وہاں اندھیرے میں نو ماہ کامل رہ کر خون حیض کھاتا رہا

وَشَقَّ الْفَرْجَ مَوْلُودًا صَغِيرًا ضَعِيفًا فَاتِحًا لِلثَّدْيِ فَاهُ

اور پھر وہ ایک کمزور بچہ کی حالت میں پیٹ سے نکلا اور پستان کو منہ لگانے لگا

وَيَأْكُلُ ثُمَّ يَشْرَبُ ثُمَّ يَأْتِي بِلَازِمِ ذَاكَ هَلْ هٰذَا إِلٰهُ

پھر وہ کھاتا پیتا پیشاب وغیرہ بیٹھتا۔ بھلا بتاؤ تو سہی ایسا محتاج انسان خدا ہو سکتا ہے؟

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ إِفْكِ النَّصَارَى سَيُسْأَلُ كُلُّهُمْ عَمَّا افْتَرَاهُ

اللہ تعالیٰ تو نصاریٰ کے افتراؤں سے پاک ہے اور عنقریب عیسائی اس غلط اور جھوٹے عقیدہ کی سزا پائیں گے

(اغاثۃ اللهفان جلد ۲ صفحہ ۲۹۱)

عقیدۂ وفاتِ مسیحؑ اور مصنّف "حرفِ محرمانہ"

جناب صوفی محمد رفیق صاحب امیر جماعت احمدیہ سکھر نے "حرفِ محرمانہ" کے مصنّف جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق سے خط وکتابت کی تھی۔ ساری خط وکتابت خاصی طویل ہے۔ اِس وقت برق صاحب کے ایک خط سے ذیل کا اقتباس قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ خط مؤرخہ ۲۵ / اکتوبر ۱۹۵۸ء میں برق صاحب لکھتے ہیں:۔

"حیات وممات مسیح کا مسئلہ میرے ہاں متشابہات میں سے ہے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ اگر زندہ ہیں تو جہاں ہیں خوش رہیں اور اگر وفات پا چکے ہیں تو قد خلت من قبلہ الرسل۔ ہمارا کوئی نقصان[1] نہیں ہوا۔ قرآن ہمارے پاس موجود ہے۔ جو ہدایت کے لئے کافی ہے۔

اِس سلسلے میں جناب مرزا صاحب کے دلائل کو میں نے بالاستیعاب دیکھا ہے۔ ان میں سے بعض خاصہ وزن رکھتی ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کے وفات پا جانے میں کوئی خاص حرج نہیں۔ البتہ حرج وہاں واقع ہوتا ہے جب مرزا صاحب انہیں مار کر ان کی جگہ خود نازل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔"

اِس تحریر سے ظاہر ہے کہ جناب برق صاحب ابھی تک قرآنی دلائل کی رُو سے یہ فیصلہ کرنے کے قابل بھی نہیں ہوئے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں۔ ان کا دل گھبراتا ہے کہ اگر میں نے یہ تسلیم کر لیا کہ حضرت مسیح وفات پا گئے ہیں تو پھر آنے والے مسیح موعود کے بارے میں طبعاً سوال پیدا ہوگا۔ اور کم از کم ایک مرحلہ پر جماعت احمدیہ کے دلائل کو تسلیم کر کے ایک دیرینہ غلطی کا تو اعتراف کرنا پڑے گا۔ چنانچہ آخری سطور میں ان کے اِس خدشہ کا صریح اظہار موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یقین کرنا چاہیئے۔ کہ جس طرح نصف صدی قبل وفاتِ مسیح کے عقیدہ کو "مضحکہ خیز" سمجھا جاتا تھا مگر اب "حقیقت" تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ اسی طرح نزولِ مسیح کی کیفیت صحیحہ کو آج آپ مضحکہ خیز کہیں مگر وقت آتا ہے کہ اسے بھی حقیقت تسلیم کیا جائے گا وما ذالک علی اللہ بعزیز ✦

---

[1] الفرقان۔ کیا ایک نبی کی وفات "کوئی نقصان" نہیں۔ اِس صورت میں اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون تو پڑھ دیں ؛

اشتراکیت اور ہمارا مذہب الگ ہیں

جناب جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ عربیہ کا بیان

{ مجلہ "الازہر" مئی ۱۹۵۹ء میں شائع شدہ مضمون "رأی السید رئیس الجمہوریة فی الشیوعیة" کا ترجمہ درج ذیل ہے ——— (ایڈیٹر) }

"اشتراکیت کو جب اقتدار اور حکمرانی حاصل ہوئی تو وہ ایسی شکل اختیار کر گئی جو اس کے ابتدائی علمبرداروں کے وہم و خیال میں نہ تھی۔ دنیا میں بہت پُر فریب اور دلربا نظریات ہوتے ہیں مگر ان کی حقیقت اسی وقت کھلتی ہے اور ان کے افسوسناک حقائق کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب ان کی عملی تطبیق کا وقت آتا ہے۔

اس وقت تک اشتراکیوں کو اپنی اشتراکیت سے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ یہی ہے کہ وہ پہلے صاحب ارادہ انسان تھے۔ مگر اب اشتراکی نظام کے باعث عام پیداوار کے لئے محض مشین کے پرزے بن گئے ہیں۔

انہوں نے دین کا انکار کر دیا۔ کیونکہ دین ان کے خیال میں ایک فضول افسانہ ہے۔ انہوں نے فرد کی انفرادیت کا انکار کر دیا۔ کیونکہ اشتراکی مذہب میں فرد کا کوئی وجود نہیں اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اب صرف حکومت کا وجود مسلّم ہے۔ ان لوگوں نے آزادی کا بھی انکار کر دیا۔ کیونکہ آزادیٔ خیال کے معنے تو ایک رنگ میں فرد کی ذات کو تسلیم کرنے کے ہیں۔ حالانکہ شیوعی نظام میں نہ فرد کی ذات ہے نہ اس کا ارادہ۔ انہوں نے نظام حکومت میں مساواۃ کا بھی انکار کر دیا۔ کیونکہ اشتراکی دستور کے مطابق حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ ملک کے سب طبقات ایک ایسے مینار کی شکل میں ہیں جس کی چوٹی پر ایک فرد بیٹھا ہے اور لاکھوں عوام اس کی بنیادوں میں جمع ہیں۔ پس اشتراکیت کے اوّلین دعاۃ کے بیانات اور اس ڈھانچے میں کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اشتراکیوں کے خلاف ہم مصری لوگ، ہم عرب لوگ، ہم مسلمان اور عیسائی جو اس خطّۂ زمین پر بستے ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں۔ اور قیامت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا اور کوئی جان دوسری کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔ پھر ہم سب یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ہر جماعت میں ہر فرد کی ذاتی حیثیت بھی قائم ہے۔ اسے اپنے اہل و عیال اور اپنی عام قوم اور اپنے شہر میں انفرادیت بھی حاصل ہے۔ ہم فرد کے لئے آزادیٔ عمل اور آزادیٔ محنت اور آزادیٔ فکر کے بھی قائل ہیں بشرطیکہ اس سے جماعتی طور پر کوئی نقصان اور مضرت نہ ہو۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ ہم **انسانی برادری، اجتماعی تعاون اور آزادانہ ایثار پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ تاکہ انسانی رشتے** مضبوط تر ہوتے جائیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ ہر فرد کو حکومت میں حق حاصل ہے اور اس کے مقابل اس کے اوپر ویسی ہی

ذمہ داری بھی ہے۔ اور ایسا ہی حکومت کی طرف سے فرد پر واجبات بھی ہیں۔ اس کے مقابل اس کے لئے حکومت پر بھی ذمہ داریاں ہیں۔ گویا اس طرح حاکم اور محکوم دونوں پر بالمقابل ذمہ داریاں ہیں۔ اس جگہ جبر اور تذلیل اور کسی قسم کے استبداد کی اجازت نہیں۔ اس نظام میں ایسا نہیں کہ چند آدمی تو آقاؤں کی گدی پر بیٹھے ہوں اور باقی سارا مجموعہ غلاموں کی طرح دست بستہ کھڑا ہو۔ یہ ہمارا دین ہے اور وہ اشتراکیت کا طریق ہے۔ اشتراکی لوگ جو چاہیں مانیں اور جس کا چاہیں چاہیں انکار کر دیں۔ ہمیں اس سے کچھ سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے اس دین اور اپنے اس مسلک کے بارے میں پورے زور سے صراحت کرنا چاہتے ہیں جو ہم نے خدا کے لئے اختیار کر رکھا ہے۔ اور ہم اس دستور اور قانون کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جس کے مطابق ہم اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے عمل پیرا ہیں۔ اشتراکیت اور ہمارے درمیان طریقِ حکومت اور طرزِ زندگی میں بڑا فرق ہے۔ اشتراکیت ایک علیحدہ مذہب ہے اور ہمارا مذہب الگ ہے۔ ہم اشتراکیت کی خاطر کسی قیمت پر اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (جمال عبد الناصر)"

کوئٹہ میں ... پادری صاحبان سے گفتگو (بقیہ صفحہ ۲۴)

معجزات دکھا سکے کیونکہ انجیل پر لکھا ہے کہ نیک لوگ ایسے معجزات دکھائیں گے۔ بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم میں رائی کے دانے برابر ایمان ہوگا تو پہاڑ کو کہو گے تو وہ اپنی جگہ سے ہل جائے گا۔

پادری آرشاد صاحب نے اس جگہ مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ وقت بہت ہو گیا ہے مگر اس ساری گفتگو سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بات تو یوں چاہیئے تھی کہ یہ کتاب مقدس ہے، یہ قرآن ہے۔ یہ حضرت مسیح ہیں اور یہ حضرت محمد صاحب ہیں ہمیں بتایا جاتا کہ کتاب مقدس کے تسلسل میں کیا ترقی ہوئی ہے؟ مثال یوں ہے کہ تورات میں لکھا تھا کہ تو زنا نہ کر۔ انجیل میں ہے کہ تو بُری خواہش سے غیر عورت کو نہ دیکھ۔ اب بتایا جائے کہ قرآن نے اس سلسلہ میں اس سے آگے کونسا حکم دیا ہے ورنہ یہ بحث بیکار ہے۔

احمدی۔ کتاب مقدس اور قرآن مجید۔ اور ایسا ہی حضرت مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپکی اور ہماری پوزیشن میں فرق ہے۔ ہم تو تورات و انجیل کو بھی مانتے ہیں اور قرآن مجید کو بھی۔ مگر آپ قرآن مجید کو نہیں مانتے۔ یہی صورت حضرت مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔ باقی رہا تسلسل تعلیم کا سوال تو اسی پیش کردہ مثال میں قرآن مجید نے حکم دیا ہے قُل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم کہ غیر محرم عورتوں کو بالکل نہ دیکھو کیونکہ بعض دفعہ دیکھنے سے بُری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم انجیل کی تعلیم سے (بہتر ہے)

پادری۔ یہ کوئی تعلیم نہیں۔ پھر تو آنکھیں بند ہی رکھنی پڑیں گی۔

احمدی۔ غیر محرم عورتوں کو نظر بھر کر دیکھنا بہرحال بُرے نتائج پیدا کریگا۔ غضِ بصر کا حکم ہے ہر وقت آنکھیں بند رکھنے کا تو حکم نہیں۔ غیر محرم عورتوں کو آنکھ بھر کر دیکھنا ناجائز ہے۔ یہ تو ایک مثال پیش ہوئی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس طرح تمام تعلیمات میں کتاب مقدس اور قرآن مجید کی تعلیم کا موازنہ ہو سکتا ہے ۔۔ ٭

٭ اگر آپ چاہیں تو تحقیق حق کے طور پر تحریری طور پر موازنہ ہو سکتا ہے۔

پادری۔ ہمیں ضرورت نہیں۔ (اس مرحلہ پر گفتگو ختم ہوئی اور اہل خانہ کی طرف سے سب حاضرین کو پُر تکلف ناشتہ دیا گیا۔) ٭

کوئٹہ میں بشپ آف کراچی اور دیگر پادری صاحبان سے گفتگو

کوئٹہ میں جناب رسول خان صاحب ایک مرنجاں مرنج شخصیت ہیں۔ امسال اگست کا آخری عشرہ مجھے کوئٹہ میں گذارنے کا موقعہ ملا۔ ۲۸ راگست کی شام کو خان رسول خان صاحب نے ہمیں بولان ہوٹل میں کھانے پر بلایا۔ دس احباب جماعت کے علاوہ متعدد پادری صاحبان بھی مدعو تھے۔ جن میں سے جناب بشپ صاحب کراچی، جناب اے۔ ایم ڈیوڈ صاحب لاہور اور جناب آر۔ شاہ صاحب کوئٹہ قابل ذکر ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس اجتماع میں کھانے سے پہلے اور بعد بلکہ کھانے کی میز پر بھی مذہبی گفتگو کا ہونا لازمی تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رسمی خیر و عافیت کے دریافت کرنے کے بعد گفتگو کا آغاز یوں ہوا کہ بشپ صاحب نے نوجوانوں کی لادینی حالت کا ذکر کیا اور کہا کہ اب مذہب پر سے اعتقاد کمزور ہوتا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ کتاب مقدس میں آخری زمانہ کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ بلاشبہ بیماری تو عام ہے اب سوال تو اس بیماری کے علاج کا ہے۔ اس موضوع پر گفتگو میں عمومی رنگ میں متعدد اصحاب نے حصہ لیا مکرم شیخ محمد حنیف صاحب کا انداز اچھا مؤثر تھا۔ پادری ڈیوڈ صاحب بھی سلجھی ہوئی گفتگو کرتے تھے۔ جناب بشپ صاحب نے ابتداء میں فرمایا کہ اخلاقی اصلاح اس طرح ہو سکتی ہے کہ انسان غصہ نہ ہو۔ غصہ اور غضب بُری چیزیں ہیں۔ تھوڑی سی لے دے کے بعد یہ تسلیم کر لیا گیا کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے جو صفات انسان میں ودیعت کی ہیں ان میں سے اپنی ذات میں کوئی بُری نہیں ہے بلکہ ان قوتوں کا بُرا استعمال ان کو بُرا بناتا ہے۔ پھر یہ بھی مان لیا گیا کہ اصل نیکی یہی ہے کہ انسان خدا کے رنگ میں رنگین ہو۔ بائیبل میں انسان کے خدا کی شکل پر پیدا کئے جانے کا یہی مفہوم ہے۔ یہ بھی قبول کر لیا گیا کہ خدا تعالیٰ بدوں کو سزا دیتا ہے، ان پر غضبناک ہوتا ہے ان سے انتقام لیتا ہے۔ اس سلسلہ میں بائیبل کے حوالہ جات کی طرف بھی بسا اوقات اشارات کئے گئے۔ اسی سلسلہ میں یہ ذکر بھی ہوا کہ انسانی اعمال اس کے دل کے یقین اور ایمان کے تابع ہوتے۔ اسلئے اصل اصلاح دل میں یقین پیدا کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اب زندہ یقین کے ذرائع کیا ہیں انہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ بنیادی ذریعہ جو خدا کی ذات اور ہستی پر پورا یقین پیدا کر سکتا ہے تو وہ خود اس کا زندہ کلام ہے۔ مکالمہ الہیہ کی ضرورت پر بھی گفتگو ہوتی رہی۔ ایک پادری صاحب نے ادنیٰ اقوام کو عیسائیت کے ذریعہ زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے کارنامہ کا تذکرہ کیا۔ اس پر بھی معقول رنگ میں گفتگو ہوتی رہی اور ایک ظاہری خوبی کی حد تک اسے تسلیم کیا گیا۔ ایک پادری صاحب نے فرمایا کہ ہم پاکستان میں ہر جگہ آزادی سے اپنے مذہب کی سب لوگوں میں تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس میں آپ کی بھی ہمت ہے مگر اس کا اصل کریڈٹ تو حکومت پاکستان اور یہاں کی

مسلم اکثریت کو جاتا ہے جو قرآنی حکم لا اکراہ فی الدین
پر عمل پیرا ہے۔

اس کے بعد روس کی الحادی تحریک پر گفتگو چل پڑی۔ اور پادری صاحب کہنے لگے کہ اس تحریک کے مقابلہ کے لئے تمام مذہبی جماعتوں کو متفق ہو جانا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی یہ تجویز عین مناسب ہے۔ قرآن مجید تو آج سے تیرہ سو سال پہلے سے اہل کتاب کو دعوت دے چکا ہے

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔

آج بھی اس نقطہ پر مسلمانوں اور عیسائیوں کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ بائیبل اور قرآن مجید و احادیث نبویہ کی پیشگوئیوں کے مطابق روس یاجوج ماجوج میں شامل ہے۔ حزقیل میں لکھا ہے:۔

"اے آدم زاد! تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر۔ (۳۸ / ۲-۳)

مکاشفہ یوحنا میں لکھا ہے:۔

"جب (بادشاہوں کے بادشاہ کی بعثت کے بعد۔ ناقل) ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور ان قوموں کو جو سرزمین کے چاروں طرف ہونگی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کیلئے جمع کرنے کو نکلے گا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا"۔ (۲۰ / ۷-۸)

قرآن مجید نے بھی فرمایا ہے۔ حتیٰ اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون۔

ان حوالہ جات کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ہم تو مانتے ہیں کہ روس یاجوج ہے۔ اس کی موجودہ ترقی اور الحادی تحریک سے خدا کا نوشتہ پورا ہو گیا ہے۔ اگر پادری صاحبان بھی مان لیں کہ بائیبل کی پیشگوئی پوری ہو گئی ہے تو روس کے خلاف دونوں کے مذہبی اتحاد کی ایک ٹھوس بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ پادری صاحب نے غور کے بعد فرمایا کہ ہمارے ہاں پیشگوئیوں کے پورے ہونے کی تصدیق کرنا ہر آدمی کا کام نہیں اس کے لئے خاص ماہر مقرر ہیں۔ اس بارے میں وہی کچھ کہہ سکتے ہیں میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بار بار کہنے کے باوجود پادری صاحب نے اس موقف میں تبدیلی نہ کی۔

وقت زیادہ ہو گیا۔ رات کے گیارہ بجے کے قریب یہ مجلس ختم ہوئی اور سب معزز میزبان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ مکرم شیخ محمد اقبال صاحب کی طرف سے پادری صاحبان کو صبح ناشتہ کے وقت مکان پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی تا مزید اور معین گفتگو بھی ہو سکے۔ دوسرے دن جناب بشپ صاحب تو تشریف نہ لائے البتہ پادری اے۔ ایم ڈیوڈ صاحب لاہور اور انچارج مشن کوئٹہ پادری آر۔ شاہ صاحب تشریف لائے۔ اس موقعہ پر دو اڑھائی گھنٹے ان صاحبان سے دلچسپ گفتگو ہوئی۔ زیادہ حصہ پادری ڈیوڈ صاحب ہی بات چیت کرتے رہے۔ اس دن گفتگو کا آغاز اس طرح ہوا کہ میں نے استثناء ۱۸ / ۱۸-۱۹ کی آیت ذیل پیش کی کہ:۔

"میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے
تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے
مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا
وہ سب ان سے کہے گا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو
کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے
کہے گا نہ سُنے گا تو میں اس کا حساب اس سے
لوں گا۔"

اور پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ مثیلِ موسیٰ نبی جو بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہونے والا تھا کون ہے؟ اس پر ذیل کی گفتگو ہوتی رہی:۔

پادری۔ ہمارے نزدیک اس سے مراد مسیح ہیں۔

احمدی۔ مثیلِ موسیٰ نبی تو وہ ہو سکتا ہے جو حضرت موسیٰ کی طرح اپنی اُمّت کے لئے شریعت لائے حضرت مسیح تو کوئی شریعت نہ لائے تھے۔

پادری۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد خود بنی اسرائیل ہیں نہ کہ بنی اسمٰعیل۔

احمدی۔ یہ مراد اسلئے درست نہیں کہ بنی اسرائیل نے خدا کی آواز آئندہ سُننے سے انکار کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر موسیٰ کو یہ خبر دی تھی۔ پس اس جگہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے خود بنی اسرائیل مراد نہیں ہو سکتے۔

پادری۔ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اِسجگہ جو پیشگوئی ہے اس کے مصداق حضرت مسیح ہیں حضرت محمد صاحب اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

احمدی۔ خود انجیل سے ثابت ہے کہ مثیلِ موسیٰ نبی والی پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح نہ تھے۔

پادری۔ اس کے لئے آپ انجیل سے کوئی حوالہ پیش کریں۔

احمدی۔ اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ:۔

"وہ (اللہ تعالیٰ) اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اسوقت تک رہے جبتک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کریگا۔" ($\frac{۳}{۲۲-۲۰}$)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ مسیح کی آمد ثانی سے پہلے پہلے مثیلِ موسیٰ نبی کی بعثت ہونے والی ہے۔ گویا موسیٰ کی مانند نبی کا ظہور حضرت مسیح کی پہلی اور دوسری بعثت کے درمیان مقدر ہے۔ اِس صورت میں مثیلِ موسیٰ نبی سے مراد حضرت مسیح ہرگز نہیں ہو سکتے۔

پادری۔ اِس عبارت کے آخر میں لکھا ہے:۔

"بلکہ سموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کہیں ان سب نے ان دنوں کی خبر دی۔"

پھر لکھا ہے کہ:۔ "خدا نے اپنے خادم کو اُٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی بدیوں سے پھیر کر برکت دے۔" (اعمال $\frac{۳}{۲۶}$)

اس سے ظاہر ہے کہ مثیلِ موسیٰ نبی خود مسیح ہیں نہ کہ کوئی اور۔

احمدی۔ یہ تو کلام کی ایسی تفسیر ہے جو پہلے حصۂ کلام سے سراسر مخالف ہے نیز اسمیں کہیں صراحت نہیں کہ مسیح مثیلِ موسیٰ ہیں۔ آخر نبیوں نے مسیح کی بھی تو بشارت دی تھی۔ اسی بنا پر یہود اس زمانہ میں تین ہستیوں کے منتظر تھے۔ (۱) ایلیا (۲) مسیح (۳) وہ نبی۔ چنانچہ یوحنا نبی نے جب مسیح ہونے کا انکار کیا تو یہود نے اس سے پوچھا تھا کہ:۔

"اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟" (یوحنا ۱/۲۵)

پادری۔ ہر شخص اپنے عقیدہ کا مختار ہے آپ اگر مثیل موسیٰ نبی کی پیشگوئی کو حضرت محمد صاحب پر چسپاں کریں تو میں کوئی اعتراض نہ کروں گا آپ شوق سے ایسا کریں مگر میرا ایمان یہی ہے کہ مسیح ہی اس پیشگوئی کے مصداق تھے۔

احمدی۔ اگر آپ استثناء پر غور کریں اور پھر اعمال کے حوالہ کو اسکے ساتھ ملائیں تو بات تو نہایت واضح ہے۔ حالات اور واقعات سے بھی یہی ثابت ہے کہ مثیل موسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دونوں صاحب شریعت ہیں دونوں نے ہی اپنی قوم کی نجات کا سامان کیا۔ دونوں کو اقتدار نصیب ہوا۔

پادری۔ آپ کی لمبی تقریر کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ میں کتاب مقدس پر ہی ایمان لاتا ہوں اور اس پر اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔

احمدی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کتاب مقدس میں کمی بیشی ہوئی ہے تو آپ کا ایمان کس طرح قائم رہے گا۔ دیکھئے موسیٰ پر نازل ہونے والی کتاب میں لکھا ہے کہ:-

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا پر آج کے دن تک کوئی اسکی قبر کو نہیں جانتا۔" (استثناء ۳۴/۵-۶)

یہ تو صاف طور پر الحاقی ہے۔

پادری۔ آپ کی بات درست ہو گی ہمارے ہاں ایک فرقہ اس اعتقاد کا ہے کہ کتاب مقدس پر غور کر کے قابل اعتراض باتوں کی تطبیق دی جائے لیکن اگر میں ایسا کروں تو میں عیسائی نہیں رہ سکتا۔ اسلئے آپ اس بحث کو چھوڑ دیجئے۔ مذہب کی اصل غرض تو اندرونی تبدیلی ہے۔ دیکھئے ہم نے خاکروبوں کو تعلیم دلا کر کتنا اچھا کام کیا ہے ان میں تبدیلی پیدا کی ہے۔ یہ کام دیکھنے کے ہیں۔

احمدی۔ خاکروبوں کی تعلیم و تہذیب کا کام آپ لوگوں نے بہت اچھا کیا ہے حکومت اور مغربی ممالک کی مالی امداد آپ کی پشت پر تھی مگر جہانتک اندرونی تبدیلی کا سوال ہے اس کیلئے عام اخلاق تو ایک دہریہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کیا مذہب کا منتہائے مقصد یہی قرار دیا جا سکتا ہے؟

پادری۔ میں کب کہتا ہوں کہ ظاہری تبدیلی کافی ہے میرے نزدیک بھی اندرونی تبدیلی ہونی چاہیئے۔

احمدی۔ اندرونی تبدیلی کا ثبوت کیا ہوگا؟ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ جو لوگ خدا کے مقرب ہوتے ہیں ان پر الہام ہوتے ہیں انہیں کشوف ہوتے ہیں انہیں رؤیا ہوتے ہیں انکی دعائیں کثرت سے قبول کی جاتی ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ عیسائیت کے رو سے اندرونی تبدیلی کی علامات کیا ہیں؟

پادری۔ کیا آپ مجھے قرآن سے بتا سکتے ہیں کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے اعمال و اخلاق پر کیا اثر ہوگا اور میں کیسا انسان بن جاؤں گا؟

احمدی۔ ہاں قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی بہت سی علامات بیان کی ہیں۔ (اس پر میں نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع سے **عباد الرحمٰن** کی علامات پوری تشریح سے بیان کیں اور بتایا کہ آپ ایسے پارسا بن جائیں گے)

پادری۔ اچھے اعمال ضروری ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی تبدیلی کا فکر کرنا چاہیئے تا کہ نجات ملے۔ میں تو مسیح کے ماننے میں نجات مانتا ہوں۔

احمدی۔ کیا آپ میں آج کوئی ایسا پادری موجود ہے جو حضرت مسیح ایسے

شربت فولاد

جگر کے تمام امراض۔ کمی خون، زردی چہرہ وضعف ہر قسم کے لئے مفید ترین، لذیذ اور خوش ذائقہ شربت۔

معدہ اور جگر کی تمام کمزوریوں کو دُور کر کے خون صالح پیدا کرتا ہے۔ ہفتہ عشرہ استعمال سے جسم میں توانائی اور چہرہ میں سُرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ بواسیر خونی، کثرت حیض اور جسم سے جریانِ خون کے بعد کی کمزوری کے لئے بہت مفید ہے۔

اس کا عام استعمال یومیہ کارکردگی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی کمزوری کو دُور کرتا ہے۔

بچوں کو اگر شروع سے ہی استعمال کروایا جائے تو اُن کی جسمانی نشو ونما بہت عمدہ ہوتی ہے۔

غرضیکہ بچوں، جوانوں، بوڑھوں، دماغی وجسمانی محنت کرنے والے لوگوں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

ترکیب استعمال

بڑوں کے لئے ایک چمچہ چائے نصف گھنٹہ بعد غذا۔

۴ سال سے ۱۲ سال کی عمر تک کے لئے نصف چمچہ۔

۴ سال سے کم کے لئے ۱/۴ چمچہ

قیمت فی شیشی ۲/- علاوہ اخراجات ڈاک وپیکنگ۔

تیار کردہ:۔ خورشید یونانی دواخانہ ربوہ

نور کاجل

- آنکھوں کو بیماری سے محفوظ رکھتا ہے۔
- بیمار آنکھوں کا علاج ہے۔
- گرمیوں میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔
- آنکھوں کو گرد وغبار سے صاف کرتا ہے۔
- آنکھوں میں خوبصورتی اور چمک پیدا کر کے چہرہ کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔
- خارش، پانی بہنا، ہمنی اور ناخونہ کا بہترین علاج ہے۔

بیسیوں جڑی بوٹیوں کے جوہر سے تیار کیا گیا ہے اور پچاس سالہ استعمال وتجربہ کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔

لہٰذا

اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی آنکھوں کو خوبصورت رکھنے کے لئے ہمیشہ

نور کاجل

استعمال کریں!

بوقت ضرورت ایک ایک سلائی آنکھوں میں ڈالیں۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنے

علاوہ پیکنگ ومحصول ڈاک

تیار کردہ

خورشید یونانی دواخانہ

گول بازار۔ ربوہ

الفردوس کلاتھ مرچنٹ

انار کلی لاہور

سے

ہر قسم کا سوتی، ریشمی اور اونی کپڑا خریدیں۔

پہلے سے زیادہ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

تشریف لائیے ——— تجربہ شرط ہے

الفردوس کلاتھ مرچنٹ انار کلی لاہور

طابع وناشر:- ابو العطاء جالندھری مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ - مقامِ اشاعت:- دفتر الفرقان احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ